گیتان جلی

رابندرا ناتھ ٹیگور

ٹیگور کی ایک سو پچاسویں سالگرہ کے موقع پر

مترجم: سید ظہیر عباس

گیتان جلی

رابندرا ناتھ ٹیگور

مترجم: سید ظہیر عباس

Gitanjali

Rabindra Nath Tagore

Translated By: Syed Zaheer Abbas

ٹیگور کی شخصیت بلاشبہ تاریخِ فنونِ لطیفہ خصوصاً شاعری میں ایک بڑے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایسے فلسفی شاعر ہے جس کے فلسفیانہ افکار کی دقیقہ سنجیوں پر اس کی شعری لطافتیں غالب آ گئیں ہیں اور بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ ٹیگور جس نسل سے تعلق رکھتا ہے اس نسل میں برہمنیت کے ویدانتی فلسفہ پر اسلام کی شفاف، خالص اور زندگی بخش توحید کا بھرپور پرتو بھی پڑ چکا تھا اسی لیے اسے "پیر علی" کی نسل سے موسوم کیا جاتا تھا۔

آیت اللہ علامہ سید عقیل الغروی

رابندر ناتھ ٹیگور کا مجموعہ شعر "گیتا نجلی" عالمی ادب کے ایسے شہ پاروں میں شمار کیا جاتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے معجز بیان شعراء میں اقبال اور ٹیگور دونوں شاعر ایسے ہیں جنھوں نے عالمی ادبی منظرنامے میں برصغیر جنوبی ایشیا کی تخلیقی عظمت و ثروت کے نشان ثبت کیے۔ انگریزی کے عظیم المرتبت شاعر ڈبلیو بی ییٹس (W.B.Yeats) نے ٹیگور کی "گیتا نجلی" کو مغرب سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور بعد ازاں مقبولیت کا دائرہ اتنا بڑھا کہ ٹیگور کو نوبل اعزاز کا حق دار گردانا گیا اور یوں ساری دنیا ان کے کمالِ شاعری کا اعتراف کرنے لگی۔ "گیتا نجلی" کا پیشِ نظر ترجمہ اردو کے قادر الکلام شاعر سید ظہیر عباس نے کیا ہے۔ "گیتا نجلی" کے اردو سمیت دنیا کی متعدد دوسری زبانوں میں بھی ایک سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ مرحوم و مغفور سید ظہیر عباس کا ترجمہ سب سے مختلف ہے۔ اصل متن سے وفاداری بھی ہے اور جمالیاتِ شعر کے اعلیٰ معیار بھی پیشِ نظر رکھے گئے ہیں۔ اس حسین امتزاج نے ترجمے کو تخلیقی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ نغمہ و آہنگ کی ہنروری لطافتِ احساس کے تمام سلیقوں اور قرینوں کے ساتھ ترجمے میں بھی برقرار ہے اور یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ مرحوم ظہیر عباس کا یہ ترجمہ ٹیگور کے شاعرانہ کمال سے براہِ راست استفادہ نہ کر سکنے والوں کے لیے بے حد کارآمد اور مفید ثابت ہوگا، مجھے اس کا یقین ہے۔

افتخار عارف

Rs. 195.00/-

ISBN 978-969-8917-78-4

9 789698 917784
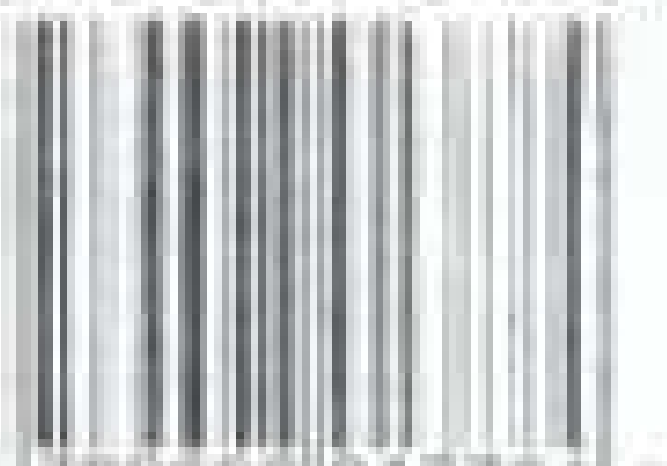
www.poorab.com.pk

گیتان جلی

رابندر ناتھ ٹیگور

مترجم:
سید ظہیر عباس

پورب اکادمی، اسلام آباد

طبع اول: نومبر 2010ء
ناشر: پورب اکادمی، اسلام آباد
فون نمبر: 051 - 5819410 - 0301 - 559 58 610
ای میل: poorab_academy@yahoo.com
ویب سائٹ: www.poorab.com.pk

Gitanjali by Rabindar Nath Tagore
translated by: Syed Zaheer Abbas
Published by: Poorab Academy, Islamabad, Pakistan
ISBN: 978-969-8917-78-4

۸۰۱،۹۵۱
ٹی گ ٹیگور، رابندر ناتھ
گیتان جلی / رابندر ناتھ ٹیگور؛ مترجم، سید ظہیر عباس۔ -
اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء۔
۱۵۲ ص

فہرست

پیش لفظ	افتخار عارف	۵
گیتان جلی.... ایک عظیم حمدیہ	آیت اللہ علامہ سید عقیل الغروی	۷
روحِ نغمہ اور نغمۂ روح کا شاعر	ڈاکٹر عنوان چشتی	۱۴
گیتان جلی		۲۳

پیش لفظ

رابندر ناتھ ٹیگور کا مجموعہ شعر'' گیتا نجلی'' عالمی ادب کے ایسے شہ پاروں میں شمار کیا جاتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی کے معجز بیان شعراء میں اقبال اور ٹیگور دونوں شاعر ایسے ہیں جنھوں نے عالمی ادبی منظر نامے میں برصغیر جنوبی ایشیا کی تخلیقی عظمت و ثروت کے نشان ثبت کیے۔ انگریزی کے عظیم المرتبت شاعر ڈبلیو بی ییٹس (W.B.Yeats) نے ٹیگور کی'' گیتا نجلی'' کو مغرب سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور بعد ازاں مقبولیت کا دائرہ اتنا بڑھا کہ ٹیگور کو نوبل اعزاز کا حق دار گردانا گیا اور یوں ساری دنیا ان کے کمالِ شاعری کا اعتراف کرنے لگی۔ عشق و محبت کی لطیف اور ارفع واردات کا بیان ہنروری کے سلیقوں کے ساتھ نغمہ و آہنگ کی جُملہ خصوصیات اپنے جلو میں لیے ہوئے جب تخلیق کے مرحلوں سے گزر کر سامنے آیا تو دنیا نے اس کتابِ شعر کو جہانِ ادب کا ایک معجزہ قرار دیا، ایسا معجزہ جس کے رشتے حسن، خیر اور نیکی کی اعلیٰ انسانی قدروں سے جُڑے ہیں۔'' گیتا نجلی'' کا پیشِ نظر ترجمہ اردو کے قادر الکلام شاعر سید ظہیر عباس نے کیا ہے۔'' گیتا نجلی'' کے اردو سمیت دنیا کی متعدد دوسری زبانوں میں بھی ایک سے زیادہ ترجمے ہوئے ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ مرحوم و مغفور سید ظہیر عباس کا ترجمہ سب سے مختلف ہے۔ اصل متن سے وفاداری بھی ہے اور جمالیات شعر کے اعلیٰ معیار بھی پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ اس حسین امتزاج نے ترجمے کو تخلیقی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ نغمہ و آہنگ کی ہنروری لطافتِ احساس کے تمام سلیقوں اور قرینوں کے ساتھ ترجمے میں بھی برقرار ہے اور یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ مرحوم ظہیر عباس کا یہ ترجمہ ٹیگور کے شاعرانہ کمال سے براہِ راست استفادہ نہ کر سکنے والوں کے لیے بے حد کارآمد اور مفید ثابت ہوگا، مجھے اس کا یقین ہے۔

کتاب کے محاسن پر حضرت علامہ عقیل الغروی مدظلہٗ اور پروفیسر عنوان چشتی مرحوم کے تعارفی مضامین اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اچھا کلام، اچھا ترجمہ اور اچھی طباعت میرے نزدیک ایک خوبصورت انعام اور ایک بیش بہا سوغات کا درجہ رکھتی ہے، جس کی تحسین جہانِ دانش پر واجب آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق ارزانی کرے۔

افتخار عارف

آیت اللہ علامہ سید عقیل الغروی

گیتان جلی.... ایک عظیم حمدیہ

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ

بلاشبہ انسان کی ناطقیت کا لطیف ترین اظہار فنونِ لطیفہ کے گوناگوں اسالیب میں نشوونما پاتا ہے۔ بھرپور جمالیاتی شعور کے ساتھ انسان کی حقیقت میں پائی جانے والی اس ناطقیت کا دقیق علمیاتی تجزیہ ہماری رہنمائی اس نتیجے تک کرتا ہے کہ یہ ناطقیت صرف قوتِ ادراک ہی سے عبارت نہیں ہے بلکہ قوتِ ابلاغ بھی اس کا ایک وجودی وصف ہے۔ ادراک اگر ابلاغ سے عاری ہو جائے تو یہ انسانی ناطقیت کا حصہ نہیں بلکہ وجود کی جمادی سطح کا حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ بھی تاریخِ ادب و لسانیات کا حسین اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں فطرت سے قریب ترین زبان یعنی عربی کے زیرِ اثر فارسی اور اردو زبانوں میں بھی انسانی افکار و احساسات اور جذبات کی ایک مخصوص اور لطیف تر ترجمانی کے لیے لفظِ شاعری کا انتخاب ہوا۔ جس کا لغوی مادہ اپنے اندر بنیادی طور پر ادراک و شعور کے معنی رکھتا ہے اور جس کی اصطلاحی تعریف ادراک کے ساتھ ساتھ ابلاغ کی شرط بھی عائد کرتی ہے۔

بہرحال یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، بلکہ فیضانِ قدرت سے حاصل ہونے والی قابلِ افتخار نعمت ہے کہ ادراک اور ابلاغ دونوں ہی اوصاف انسانی شخصیت کا جوہر تشکیل دیتے ہیں۔

یہ بحث پورے استدلالی اور تجزیاتی طریق کار کے ساتھ نظریاتی سطح پر چھیڑی جائے تو فلسفۂ علم اور فلسفۂ سخن کے دفتر کے دفتر پُر کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن سردست نہ اس کا موقع ہے نہ اتنی مہلت۔

اس وقت تو یہ نکتہ اس لیے ذہن میں کوند گیا کہ سامنے ٹیگور کی تابکار شاعری اور اس کا سید

ظہیر عباس ظہیر زیدی کے ہنر آفریں قلم سے کیا ہوا بہترین منظوم ترجمہ رکھا ہوا ہے۔

ٹیگور کی شخصیت بلاشبہ تاریخ فنون لطیفہ خصوصاً شاعری میں ایک بڑے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایسا فلسفی شاعر ہے جس کے فلسفیانہ افکار کی دقیقہ سنجیوں پر اُس کی شعری لطافتیں غالب آ گئیں ہیں اور بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ ٹیگور جس نسل سے تعلق رکھتا ہے اُس نسل میں برہمنیت کے ویدانتی فلسفہ پر اسلام کی شفاف، خالص اور زندگی بخش توحید کا بھرپور پرتو بھی پڑ چکا تھا اسی لیے اسے "پیر علی" کی نسل سے موسوم کیا جاتا تھا۔

ٹیگور نے فطرت کے حُسن و خیر کا ادراک جس سطح پر کیا ہے اور ضمیرِ فطرت کی ترجمانی اور ابلاغ کی خدمت جس موثر انداز میں انجام دی ہے اس کی داد اُسے ہمیشہ ملتی رہے گی۔

حافظ نے اپنی شاعری سے متعلق ایک مقام پر یہ اظہار خیال بھی کیا تھا کہ:

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند

این قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

ٹیگور نے بظاہر ایسی کوئی بات کہی تو نہیں لیکن اُس نے جو عسل بنگالہ پیش کیا ہے اس کے گونہ گوں امتیازات اور خصائص کا احاطہ کرنا اس مختصر سی تقریب سخن میں ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس امتیاز کا ذکر کیے بغیر رہا بھی نہیں جا سکتا کہ حافظ کی شاعری میں عشق کی مجازی اور حقیقی نسبتوں کا ابہام و اِشکال اُن کے شارحین اور ناقدین کے لیے جتنے تکلفات اور زحمات کا باعث ہوا ہے، ٹیگور کے عشق و عرفان کا روحانی ارتکاز، اس کے عام قارئین و سامعین سے لے کر اس کے بلند پایہ مترجمین اور مفسرین تک ہر ایک کے لیے اُس سے کہیں زیادہ مسرت و بصیرت اور حظ و نشاط کا سروسامان فراہم کرتا ہے۔ بلکہ کہیں کہیں پر تو اِبتہاج اور اِبتہال کی ملی جلی ایسی وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ شاید و باید۔ اُس کی گیتانجلی میں تو یہ اِبتہاج و اِبتہال ایک مسلسل، محیط، انتہا ناپذیر روحانی کیف اور ایک جاودانی معنوی بصیرت میں تبدیل ہو گئی ہے۔

ہمارے پیش نظر اس وقت اسی گیتانجلی کا وہ منظوم اردو ترجمہ ہے جو سید ظہیر عباس ظہیر زیدی کے ریاضِ فن کا ثمرہ ہے۔

ٹیگور دنیا میں جتنے مشہور ہیں، اس کے برعکس ان کا یہ مظلوم مترجم انتہائی غیر معروف ہے۔ مگر اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ جیسے جیسے لوگ اس مترجم کے اس عظیم الشان کارنامہ

سے آشنا ہوتے جائیں گے اس کی گمنامی بھی مٹتی جائے گی۔

سردست سوائے اُس ایک مقدمہ کے جو پروفیسر عنوان چشتی نے اس ترجمہ کے پہلے ایڈیشن پر لکھا تھا، کوئی اور ذریعہ ظہیر زیدی کے تعارف کا موجود نہیں ہے۔ اگرچہ خوش قسمتی سے مجھے اُن کو اُسی زمانہ میں جب اُن کے اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن شائع ہو رہا تھا بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن اس وقت اُن سے شعر و ادب کے عمومی مسائل، ٹیگور کی شاعری سے ان کی والہانہ وابستگی اور اس ترجمہ کے تعلق سے بعض امور کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ خصوصاً ان کے ذاتی کوائف سے متعلق کسی بھی گفتگو کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لیکن اُن کے بعض قریب ترین اعزا سے میری اب بھی راہ و رسم ہے، اس لیے ان کے کچھ احوال و کوائف دستیاب ہونے کی امید ضرور ہے۔ سردست تو اِس ایک تصنیف کے علاوہ سید ظہیر عباس زیدی کی کسی اور تصنیف کا علم بھی نہیں ہے۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ اُن کے ریاضِ فن اور مشقِ سخن کا سلسلہ بہت دراز تھا اور تقریباً تمام اصنافِ سخن میں ان کے نتائج افکار موجود تھے۔ اب وہ کہاں ہیں؟ اس تحقیق کی ذمہ داری برادرِ مکرم سید نیر مہدی زیدی نے اپنے سر لی ہے۔ خدا کرے وہ اس ادبی مہم جوئی میں کامیاب رہیں۔

میری دلی خواہش تھی کہ یہ ترجمہ دوبارہ شائع ہو اور زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار سید نیر مہدی زیدی صاحب سے کیا جو لندن میں مقیم ہیں اور ظہیر زیدی صاحب مرحوم کے سگے بھتیجے ہیں۔ انہوں نے میری یہ فرمائش نہایت خوش مذاقی اور دلی جذبہ کے ساتھ قبول فرمائی اور اب اُن کے اور اُن کے برادرِ خورد عزیز مکرم سید نادر عباس زیدی صاحب کے اہتمام سے یہ ترجمہ دوبارہ زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو رہا ہے۔ رب کریم اِن برادران کو تمام اہلِ ادب کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے!

جہاں تک اس ترجمہ کی شعری اور لسانی خوبیوں اور خصوصیتوں کا تعلق ہے اُس کی تفصیل بجائے خود ایک مستقل اور مفصل مقالے کی مقتضی ہے۔ اجمالاً، اِتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ مترجم کی غیر معمولی علمی لیاقت اور فنی صلاحیت کا آئینہ دار ہے۔ اور اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی جستجو کسی بلند پایہ تخلیقی ترجمہ یا کسی بھی مستقل اور بلند پایہ شعری تخلیق میں کی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر اس کا آغاز ہی کس قدر دل آویز اور کتنا روح پرور ہے:

مجھ کو لافانی و پائندہ بنانے والے
اے خدا تیری مشیت کے تقاضوں کے نثار
ہے مرا قالب ِ کمزور وہ ظرف ِ ناچیز
جس میں ہے روح کی یہ آمدوشد یہ تکرار
کچھ فقط روح نہیں نغمۂ جاوید حیات
ہے یہاں موت بھی خود ضامنِ تجدیدِ حیات

اس شعر پارہ کی معنوی تہہ داری کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعض الفاظ سے، ذہن، بظاہر آواگون کے ویدک نظریہ کی طرف بھی متبادر ہوسکتا ہے لیکن انہیں الفاظ سے تصوف ِ اسلامی کے تجدد ِامثال [illegible] رِ تکاملِ برزخیہ کے نظریات کی طرف بھی منتقل ہوسکتا ہے۔ اس معنوی تہہ داری کے ساتھ زبان کی دل آویزی اور اسلوب کی دل نشینی اپنی جگہ۔ تخاطب کا مناجاتی انداز، مخاطِب میں عبدیت کی مملوکانہ خاکساری اور مخاطَب کا اُلوہی جلال تو ماورائے سخن ہوتے ہوئے بھی سخن آفرینی کا اعجاز دکھا رہا ہے۔

اِسی طرح، جس اہلِ ذوق نے مولانا جلال الدین رومی کی بانسری کا نالہ سن رکھا ہے، وہ گیتانجلی کے موجودہ ترجمہ کے اس بند سے بھی یقیناً وجدان آفریں حظ حاصل کرے گا:

تونے اِس بانس کی ناچیز سی شہنائی سے
کوہ ووادی میں وہ نغمات کیے ہیں پیدا
جن کی آواز مدھر جن کی ہر اک لے شیریں
جن کے آہنگِ ترنم پہ جہاں ہے شیدا
تونے جو چیز بھی بخشی ہے بھلی بخشی ہے
میرے نغموں کو حیاتِ ابدی بخشی ہے

گیتانجلی کی تمام تر دل آویزی اور دل نشینی کا راز دراصل شاعر کے اُس ارتکاز ِباطنی میں مضمر ہے جس نے اس کے سخن کو سرتا سر حمد ومناجات بنادیا ہے۔ مناجاتی اِبتہاج واِبتہال کی یہ کیفیت بھی دیدنی اور شنیدنی ہے:

اے زہے عکسِ جمالِ رخِ زیبا تیرا
نور سے جس کے منور ہے یہ خانۂ دل
خود فراموشی ِاحساس مسرت کو نوید
ہے تری حمد سے آباد یہ ویرانۂ دل
نُطق عاجز ہے تری شکرگذاری کے لیے
عبد پھر عبد ہے کیا کہہ سکے باری کے لیے

سید ظہیر عباس زیدی نے کتنی مشق بہم پہنچائی ہوگی جو اتنی رواں، شگفتہ اور معنی خیز شاعری کا نمونہ تخلیق کرنے میں کامیاب ہوئے، اس کا اندازہ کرنا کسی اہل فن کے لیے تو کسی حد تک ممکن بھی ہے لیکن عام قارئین کے لیے تقریباً ناممکن ہے۔ تخلیقی ترجمہ یا ادبی ترجمانی کا فن ادراک سے ابلاغ تک نُطق ونظر کی تمام ذہنی اور وجدانی قوتوں کی فعلیت کا متقاضی ہوتا ہے۔

ادراک سے ابلاغ تک کتنے مراحل ومنازل ومقامات سے گزرنا پڑتا ہے اس کی وضاحت کے لیے بھی ایک دفتر چاہیئے۔

کسی کلام کے ظاہری منطوق کو سمجھنے سے لے کر اس کے تہ بہ تہ مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا، پھر اس کے ادا کیے ہوئے مضامین میں پائے جانے والے تصوری معانی سے گزر کر اس کے مرادی معانی کا انکشاف کرنا، پھر اسے نئے مضامین کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنا ---- اِدراکِ معنی اور استدراکِ مفہوم کے تعبیری اور تفہیمی مراحل ومنازل سے لے کر اِبلاغِ مراد اور ترجمانی مقصود کے تخلیقی اور فنی احوال ومقامات تک--- الفاظ ومعانی کے ساتوں آسمانوں سے گزر کر فکروفن کی معراج کا سفر طے کرنے کے مترادف ہے۔ یہ محاورہ نہیں حقیقتاً جوئے شیر لانے سے کہیں زیادہ دشوار اور پیچیدہ عمل ہے۔ اور سید ظہیر عباس زیدی اس عمل میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔

ہر چند کہ اِس دیباچہ میں میری بِنا اختصار پر ہے پھر بھی میں مزید دو ایک نکات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

معاصرین اربابِ سُخن یا اصحابِ قول وقلم، ادب وشعر تخلیق کرنے کا جو بھی نظریہ رکھتے ہوں، میرے نزدیک ادب وشعر اپنے خالق؛ ادیب یا شاعر کے شعورِ ذات، شعورِ حیات اور اس کے

اپنے ادب ظاہری و باطنی کا آئینہ دار و ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ قاری و سامع کے لیے بھی ادب و شعور آفریں ہونا چاہیے۔ اور یہ وصف اصل گیتانجلی میں تو بدرجہ اتم موجود ہی ہے، اس ترجمہ میں بھی یہ رنگ کسی بھی لحاظ سے مدھم نہیں پڑا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ میرا ایک اہم معروضہ یہ بھی ہے کہ عظیم ادب یا عظیم شاعری وہی ہے جو سعی و عمل کی محرک بھی ہو اور نتائج سعی و عمل کے بارے میں یا کلی انجام عمل یا انجام کار کے تعلق سے اُمید افزا یا اصطلاحاً رجائیت کی علم بردار ہو۔ اس لحاظ سے بھی دیکھیے تو آپ کے پیش نظر جو فنی شہ پارہ ہے وہ نہ صرف یہ کہ یاس انگیز نہیں ہے بلکہ ٹوٹی ہوئی آس بھی بندھانے والا ہے۔

پہلے، جامد مذہبیت کی بیخ کنی کرنے والی متحرک، فعال، شعور خیز و شور انگیز روحانیت کی یہ ترجمانی دیکھیے:

یہ عبادات یہ خلوت کدہء دیر حرم
یہ پرستش یہ بھجن اور یہ تسبیح و نماز
ان رواسم سے وہ مانوس نہیں ہے غافل
سازِ وحدت کے لیے ہیں یہ طریقے ناساز
وہ وہاں ہے کہ جہاں حُسنِ عمل رقصاں ہے
جس جگہ سعیِ مسلسل ہی فقط ایماں ہے۔

اور اسی کے ساتھ رجائیت کا یہ نغمۂ دل نواز بھی آویزۂ گوشِ جاں کرتے جایئے:

بالیقیں نورِ سحر دہر میں پھیلے گا ضرور
اور تاریکیِ شب ہوگی جہاں سے کافور
دامنِ چرخ سے پھوٹے گی وہ جوئے انوار
جس سے وابستہ ملے گا تری آواز کا نور
گیت گائیں گے ترے زمزمہ پرداز چمن
تیرے پھولوں سے نکھر جائیں گے انداز چمن

بطورِ مثال، اس طویل منظومہ سے انہیں چند شعر پاروں کو پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ابھی کہنے کے لیے بہت کچھ باقی ہے، وہ اب کسی اور موقع کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ گیتانجلی کے پیش نظر ترجمہ کے تخت سے تخت تنقیدی مطالعہ کے بعد بھی بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ معیاری ادب اور شاعری کی تخلیق، تعبیر، تفہیم، تدریس اور عام مطالعہ کے --- لسانی، فنی اور معنوی جتنے بھی مقتضیات ہیں وہ سب کے سب سید ظہیر عباس کے اس تخلیقی شہکار میں موجود ہیں۔ یہی اس کے وجود میں آنے کا تکوینی راز ہے اور یہی اس کی اشاعت کا جواز بھی۔

عقیل الغروی
۲۳ مئی ۲۰۱۰
باب المراد، لندن۔

ڈاکٹر عنوان چشتی

روحِ نغمہ اور نغمۂ روح کا شاعر

آپ ہیں سید ظہیر عباس:

جوانی میں گل رعنا رہے ہوں گے لیکن چہرہ کا کھلتا ہوا سرخ وسپید رنگ اب بھی اپنی دلکشی کی قسم کھاتا ہے۔ اوسط درجہ کی چمکتی ہوئی آنکھیں ذہانت اور خلوصِ نیت کا پتہ دیتی ہیں۔ کھڑی ناک، کشادہ پیشانی اور بیضاوی چہرہ سے وجاہت اور وقار جھلکتا ہے۔ قد لمبا اور قامت گداز ہے۔ عالم شباب میں ''سروخراماں'' تھے اب بھی کمر سیدھی کر کے چلتے ہیں تو جوانوں کو رشک آتا ہے۔ لباس عام طور پر سپید یا خوش رنگ ہوتا ہے چھوٹی مہری کا پیجامہ پہنتے ہیں سر پر ٹوپی ہوتی ہے اور شیروانی زیب تن کرتے ہیں۔ گفتگو میں سادگی اور انکسار کے ساتھ ایک خاص انداز کا بانکپن ہوتا ہے، جو مخاطب کو متاثر کرتا ہے۔ ادب اور مذہبیات پر گہری نگاہ ہے۔ ان موضوعات پر بے تکلف اور بے تکان بولتے ہیں۔ بولتے نہیں بقول شخصے موتی رولتے ہیں۔ گفتگو میں متانت کے ساتھ شوخی، سادگی کے ساتھ پرکاری اور وضاحت کے ساتھ رمزیت ہوتی ہے۔ جو اسلوبِ بیان پر ان کی مضبوط گرفت کی شاہد ہے۔ تاریخ اسلام پر گفتگو میں تو مخاطب کی یہ کیفیت ہوتی ہے:

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

یہ ہیں سید ظہیر عباس۔

سید ظہیر عباس نے 1913ء میں سادات باہرہ کے ایک خوش حال اور زمیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید شریف حسن صاحب ہے اور جائے پیدائش موضع کوال ضلع مظفرنگر ہے، جو جانسٹھ کے مضافات میں ساداتِ باہرہ کی ایک ممتاز بستی ہے۔ ساداتِ باہرہ سے کون واقف نہیں جو اپنی ذہانت، فطانت اور علم دوستی کے لیے مشہور ہے۔ سید ظہیر عباس کی

نانہال سہارن پور کے ایک ذی حیثیت، ذی علم اور ادب پرور خاندان میں ہے۔ موصوف کے نانا سید ممتاز علی ہائی کورٹ کے ممتاز وکیل اور ادب دوست انسان تھے۔ ظہیر عباس کی ابتدائی تربیت اسی گھرانے کے زیر سایہ ہوئی۔ اور یہیں ان کے ذوقِ سخن نے جلا پائی۔ شرفاء کے دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی۔ اردو، فارسی اور عربی میں ایک خاص استعداد بہم پہونچائی۔ ادب اور مذہبیات کا گہرا مطالعہ کیا۔ انگریزی زبان وادب سے کما حقہ واقفیت بہم پہونچائی۔ بے تکلف انگریزی بولتے اور لکھتے ہیں۔ اور کلاسیکی انگریزی شہ پاروں کی روح تک اپنے نکھرے ہوئے ادبی ذوق اور مطالعہ کی بدولت رسائی حاصل کرتے ہیں۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ موصوف پڑھے ہوئے بھی ہیں اور گُڑھے ہوئے بھی ہیں..........

1933ء میں سید ظہیر عباس کی شادی سید ناصر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ سید ناصر علی خاں صاحب کا تعلق ساداتِ باہرہ کے اس خاندان سے ہے جسے عرف عام میں بادشاہ گر کہا جاتا ہے۔ چونکہ سید ناصر علی خاں صاحب کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے مرحوم نے سید ظہیر عباس کو بطور خانہ داماد رکھ لیا۔ اس طرح جانسٹھ ظہیر عباس کے لیے وطن ثانی ہوگیا۔

فطرت نے ظہیر عباس کو بطور خاص ذوقِ سخن عطا کیا ہے۔ جس کو موصوف کے نانہالی خاندان کی علمی اور ادبی فضا نے پروان چڑھایا۔ انھوں نے اپنی محنت، لگن اور مطالعہ سے اس پر مزید جلا کی۔ موصوف نے فن شاعری میں مہارت حاصل کی اور لسانی، فنی نیز عروضی نکات جاننے کے لیے ابتداء میں مرزا ثاقب لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اور 1930ء سے 1938ء تک مرزا ثاقب لکھنوی سے مشورۂ سخن کیا۔ اس کے بعد 1938ء میں مولانا صفی لکھنوی کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ اور 1951ء تک استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سید ظہیر عباس صاحب اردو شاعری کی ان زندہ اور تابندہ روایات کے دلدادہ ہیں جو صدیوں مشاطگی کے بعد، لسانی، فنی اور عروضی شکل میں ہمارے سامنے ہیں...... سید ظہیر عباس صاحب نے یوں تو اردو، فارسی اور انگریزی کے بیشتر قابلِ ذکر شعراء کے دواوین کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن موصوف، میر، انیس، غالب اور اقبال کی شاعری سے خاص طور پر متاثر ہیں۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کی فکرِ رسا ہر میدان میں اپنا جوہر

دکھاتی ہے۔ لیکن خاص طور پر مرثیہ، قصیدہ، غزل مثنوی اور رباعی کے میدان میں تو خوب خوب کھلتی ہے۔ چنانچہ غزلوں، قصیدوں، مرثیوں اور رباعیوں کا وافر ذخیرہ ان کی تخلیقی صلاحیت کے ثبوت میں موجود ہے۔ حال ہی میں ظہیر عباس نے ٹیگور کی گیتان جلی کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔

اردو میں گیتان جلی کے کئی تراجم ہوئے ہیں، منظوم بھی اور نثری بھی۔ سب سے پہلے 1914ء میں نیاز فتح پوری نے گیتان جلی کا نثری ترجمہ ایک بسیط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس کے بعد کئی اور تراجم شائع ہوئے جن میں جوش ملیح آبادی کا نثری ترجمہ اور عبدالعزیز خالد کا منظوم ترجمہ خاص اہمیت اور شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے گیتان جلی کا ایک اور منظوم ترجمہ کیا ہے جو اپنی جگہ اہم ہے۔ ترجمہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترسیل خیال کا فن ہے۔ لیکن شاعری کا ترجمہ بے حد مشکل کام ہے۔ اس میں فن میں ''ابلاغ خیال'' اور ''ترسیلِ خیال'' کی جو اہمیت ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ابلاغ کا نقطۂ آغاز وہ لمحہ ہے جب مترجم قاری کی حیثیت سے اس کا مطالعہ شروع کرتا ہے۔ اور اس کا لمحہ آخر وہ لمحہ ہے جب قاری زیرِ مطالعہ فن پارے کے مفہوم یا مفاہیم کو پوری طرح سمجھ لیتا ہے۔ مصنف کی مجرد آگہی، خیال فکر جذبے، نقطہ نگاہ، ادراک اور بصیرت کی اصل جہت کو الفاظ کے ذریعہ ذہن میں جلوہ گر ہونے کو ابلاغ کہتے ہیں۔ اس عمل کی نفسیاتی اور لسانی دو سطحیں ہیں۔ نفسیاتی سطح پر شعور اور لاشعور سرگرم کار ہوتے ہیں۔ لسانی سطح پر الفاظ کی مختلف شکلیں اپنی گرہیں کھولتی اور معانی کا انکشاف کرتی ہیں۔ مترجم کے لیے پہلی شرط مصنف کے بارے میں باخبری ہے، مترجم کے لیے مصنف کا فلسفۂ حیات طرزِ فکر و احساس، علمی لیاقت، اس کے فنی طریقہ کار سے آگاہ ہونا ضروری ہے۔ زیرِ ترجمہ کتاب کی زبان کے اسرار و رموز، محاوروں، پیکروں، استعاروں اور علامتوں کو اچھی طرح جاننا بھی لازم ہے اور مصنف کے عہد کی تہذیبی، ادبی، تعلیمی اور فنی زاویوں اور رجحانوں سے واقفیت بھی ضروری ہے اور تصنیف کی زبان کی تاریخ اس کے املا، انشاء اور تلفظ نیز الفاظ کے مختلف محلِ استعمال کو جاننا بھی ضروری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ سید ظہیر عباس صاحب نے ان شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور گیتان جلی کے ابلاغ پر محنت صرف کی ہے۔

ابلاغ کے بعد ترسیل کی منزل آتی ہے۔ ترسیل کا لمحۂ اول وہ لمحہ ہے، جب مترجم مصنف کے خیال کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لیے قلم اٹھاتا ہے اور لمحۂ آخر وہ لمحہ ہے جب وہ ترجمہ کو حتمی طور پر نوک پلک سے درست کر کے پڑھنے والے کے سامنے ایک تخلیق کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح ترسیل وہ عمل ہے جس میں مترجم مصنف کی مجرد آگہی، خیال، فکر یا جذبے کو دوسری زبان یا قابلِ فہم و ادراک علامتوں کے ذریعہ قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ترسیل کے عمل کے دو مدارج ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے جہاں ذہن کے آئینہ خانہ میں خیال اور لفظ ایک دوسرے میں تحلیل ہوتے ہیں، بہ الفاظ دیگر مصنف کی مجرد آگہی مترجم کے ذہن میں الفاظ کا مرئی پیکر اختیار کرتی ہے۔ دوسرا مرحلہ وہ ہے مترجم اپنی زبان میں انھیں ابلاغ کو از سرِ نو تخلیق کر کے قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ترسیل کے منصب سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم اپنی زبان کے اسرار و رموز سے واقف ہو۔ اس زبان کے مختلف اسالیب پر گہری نگاہ ہو۔ اس کے پاس الفاظ کا وافر سرمایہ ہو اور وہ کسی نادر اور نازک موقع کے لیے لفظ تراشی کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ یہ کام نثر کی سطح پر کسی قدر آسان اور شاعری کی سطح پر مشکل ہے ایذرا پاؤنڈ نے شاعری کو ترجمے کے نقطہ نظر سے تین حصوں میں منقسم کیا ہے (الف) ایسی شاعری جس کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے (ب) ایسی شاعری جس کا ترجمہ ناممکن ہے اور (ج) ایسی شاعری جس کے اصل خیال یا جذبہ کی جھلک ترجمہ میں آ سکتی ہے۔ انھیں مشکلات کے پیش نظر انگریزی کے بعض شاعروں نے کہا تھا کہ شاعری کا ترجمہ نہیں ہو سکتا اور فرانس میں مثل مشہور ہو گئی تھی کہ مترجم مصنف کے خیال میں خیانت کرتا ہے اس لیے ٹرانس لیٹر ٹریٹر ہوتا ہے۔ ذیل میں نیاز فتح پوری، فراق گھورکھپوری کے نثری تراجم اور عبدالعزیز خالد، سید ظہیر عباس کے منظوم تراجم کا تقابلی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے سید ظہیر عباس کے منظوم ترجمہ پر تھوڑی بہت روشنی پڑتی ہے۔ اس مقصد کے لیے گیتان جلی کا تیرھواں گیت ملاحظہ کیجیے:

نیاز فتح پوری نے اس گیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

''وہ گیت جس کے گانے کے لیے میں آیا تھا۔ اس وقت تک بے گایا ہوا پڑا ہے۔ میں نے

اپنے دن تار کے چڑھانے اتارنے ہی میں صرف کر دیے۔

مناسب وقت ابھی نہیں آیا۔ الفاظ اچھی طرح موزوں نہیں ہوئی صرف درد آرزو قلب میں ہے۔

کلی ابھی نہیں کھلی۔ صرف ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے۔ نہ میں نے اس کی صورت دیکھی اور نہ میں نے اس کی آواز پر توجہ دی۔ میں نے اس کے آہستہ قدموں کی صرف آواز اس سڑک سے سنی ہے جو میرے گھر کے سامنے ہے۔

ایک طویل دن فرش بچھانے ہی میں گزر گیا۔ اور شمع اس وقت تک روشن نہیں ہوئے (اس لیے) میں اسے گھر کے اندر نہیں بلا سکتا۔ میں اس سے مل رہنے کی امید پر جی رہا ہوں۔ لیکن وہ ملن اب تک نہیں ہوا۔"

نیاز فتح پوری نے بھی اپنے ترجمہ میں تار چڑھانے اور تار اتارنے پر توجہ صرف کی ہے اور Time کا ترجمہ وقت کیا ہے۔

فراق گورکھ پوری کا ترجمہ ہے:

"میں جو گیت گانے آیا تھا، آج تک بے گایا ہوا ہے

میں نے اپنے دن اپنی بینا کے تاروں کو کھولنے اور باندھنے میں صرف کر دیے ابھی ٹھیک وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی لفظوں کے سر ٹھیک نہیں ہو سکے ہیں ابھی صرف میرے دل میں تمناؤں کا کرب ہے۔

ابھی کلی نہیں کھلی ہے۔ ابھی صرف ہوا سرد آہیں ادھر اُدھر سے گزر رہی ہیں۔ ابھی میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ نہ ابھی میں نے اس کی آواز سنی میں نے ابھی (صرف) اس کے قدموں کی نرم چاپ اس راہ سے آتے ہوئے سنی ہے جو میرے گھر کے سامنے سے ہو کر جاتی ہے۔

پورا دن اس کے لیے زمین پر فرش بچھانے میں صرف ہو گیا۔ لیکن ابھی چراغ نہیں جل سکا۔ اور میں اسے گھر میں نہیں بلا سکتا ہوں۔

میں اس سے ملنے کی امید میں جی رہا ہوں، لیکن اس ملن کا وقت ابھی ابھی نہیں آیا۔"

فراق گورکھ پور شاعری کے اچھے پارکھ ہیں لیکن انھوں نے بھی نثری ترجمہ کے حدود میں رہ کر لفظی ترجمہ پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ انھوں نے بینا کے تاروں کو کھولنے اور باندھنے میں یک گونہ سلیقہ کا ثبوت ضرور دیا ہے۔ لیکن اس میں لفظی ترجمہ کا رنگ ہے۔ فراق نے Time کا ترجمہ وقت کیا ہے۔ ترجمہ کا باقی حصہ بھی اسی نوع کا ہے۔

عبدالعزیز خالد نے اس گیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

نا سرائیدہ اب تک ہیں وہ زمزمے
جن کو گانے کی خاطر میں آیا یہاں
دن میرے کٹ گئے جوڑتے کھولتے
اپنے سازوں کے تاروں کو واحسرتا
شبھ کہیں جس کو آیا نہیں وہ سمے
اور الفاظ بھی ٹھیک بیٹھے نہیں
ہے اگر جی میں کچھ تو غم آرزو
ہونٹ کھولے نہیں ہیں کلی نے ابھی
صرف بھرتی ہے موج صبا سسکیاں
میں نے آواز اس کی سنی اور نہ
صورت دلربا کا نظارہ کیا
صرف آہٹ سنی مخملی پاؤں کی
گھر کے آنگن سے جاتی ہوئی راہ میں
صبح سے شام تک میں بناتا رہا
اس کے شایان شاں بیٹھنے کی جگہ
لیکن اب تک ہے بے نور میرا دیا

اس سے کیسے کہوں میرے گھر آیئے
بے تکلف قدم رنجہ فرمایئے
کٹ رہی ہے اسی آس میں زندگی
رام جانے کب آئے ملن کی گھڑی

عبدالعزیز خالد کے منظوم ترجمہ کا وزن ۔ فاعلن فاعلن ۔ فاعلن ہے ۔ فاعلن ہے۔ جس کے بحر متدارک مثمن سالم ہے اگرچہ اس لفظی ترجمہ میں اس کی روح بھی جلوہ گر ہے۔ لیکن عبدالعزیز خالد کا سارازور لفظی ترجمہ پر ہے۔ اپنے سازوں کے تاروں کے کھولنے اور باندھنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ دوسرے ٹیگور کے اصل متن میں لفظ Time استعمال کیا جس کا ترجمہ عبدالعزیز خالد نے وقت کیا ہے۔ یہ بھی اس کا ثبوت ہے کہ خالد نے لفظی ترجمہ پر زیادہ توجہ صرف کی۔

اب سید ظہیر عباس کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

حیف وہ نغمہ جواب تک نہ لبوں پر آیا
ہاں وہی نغمہ ہے، اب تک مرا مقصودِ حیات
ساز کو آہ خوش آہنگ بنانے کے لیے
کتنے کچھ صرف کیے میں نے یہاں پر دن رات
حیف وہ نغمہ معنی جسے خود گا نہ سکا
ہائے وہ ساز کہ جو تشنۂ مضراب رہا
تال اظہارِ حقیقت کو مناسب نہ ملی
مجھ سے الفاظ کی ترتیب بھی کچھ ہو نہ سکی
وہ تمنا کہ ہے بیتاب میرے سینے میں
پا کے مقصود مرے دل سے خلش دھو نہ سکی
نفسِ سرد صبا لائی سکوں مل نہ سکا
غنچہ بیتاب ہے کھلنے کو مگر کھل نہ سکا

ذوقِ دیدار ہے بیتاب تجلی کے لیے
اور میں کب سے یہاں گوش برآواز بھی ہوں
بے نیازی کی تری بچ ہے کوئی حد ہی نہیں
میں کہ بیگانہ بھی تیرا ترا ہمراز بھی ہوں
پیش خانہ جو مرے راہِ گزر جاتی ہے
تیرے قدموں کی خوش آہنگ صدا لاتی ہے

زینتِ مسند محبوب کوئی کھیل نہیں
عمر بھر دل کو بہر طور سجانا ہے مجھے
خلوتِ دل میں اسے آج بلا لوں کیوں کر
ابھی عرفاں کا دیا بھی تو جلانا ہے مجھے
جی رہا ہوں میں بہ اُمید ملاقات ہنوز
ہے بہت دور مگر عیدِ ملاقات ہنوز

سید ظہیر عباس نے اصل کا منظوم ترجمہ کرتے وقت الفاظ سے زیادہ اس کی معنویت کو ملحوظ رکھا ہے۔ انھوں نے بینا کے ساز کے تارں کو چڑھانے اتارنے یا کھولنے باندھنے سے احتراز کیا اور اس کی جگہ ''ساز کو خوش آہنگ بنانے کے لیے'' لکھا، جس سے اصل کی معنویت اجاگر ہو جاتی ہے۔ یہی اصل کی روح بھی ہے۔ اس طرح انھوں نے ''ٹائم'' کا ترجمہ وقت نہیں کیا بلکہ پورے شعری تجربہ کی روشنی اور زبان کے سیاق وسباق میں ٹائم کا ترجمہ تال کیا ہے۔ تال موسیقی کی اصطلاح ہے۔ جس کی معنویت کو وہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں جو گیت اور موسیقی سے کم حقہ واقف ہیں۔ اور اس مقام پر ٹیگور کے مافی الضمیر سے بذریعہ ابلاغ کامل واقف ہیں۔

سید ظہیر عباس صاحب نے گیتان جلی کا ترجمہ کرنے میں ابلاغ اور ترسیل دونوں تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے اور اصل کی روح کو ترجمہ میں منتقل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

سید عباس صاحب کا ترجمہ اصل سے قریب تر ہے۔ اور اس میں ایک طرف وہ روح معنی جلوہ گر ہے جو ٹیگور کے انگریزی ترجمہ یا گیتوں میں ملتی ہے اور دوسری طرف ایک خاص انداز کی تخلیقی کیفیت بھی جلوہ گر ہے جو لفظی ترجموں میں صرف نظر کرنے سے وجود میں آئی ہے۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو سید ظہیر عباس کے ترجمہ کا جواز ہے۔

سید ظہیر عباس نے گیتان جلی کے گیتوں کے ترجمے کے لیے ایک بحر کا انتخاب کیا ہے اور تمام گیتوں کا ترجمہ کرنے میں اسی بحر سے کام لیا ہے جب کہ عبدالعزیز خالد نے مختلف گیتوں کا ترجمہ مختلف بحروں میں کیا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ ہر جذبہ اور ہر خیال الفاظ کی طرح بحر و آہنگ بھی اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس لیے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ ہر گیت کا ترجمہ ایسی بحر میں کیا جائے جو اس سے مطابقت رکھتی ہو۔ لیکن گیتان جلی کا معاملہ اور ہے اور اس کے تمام گیت بنیادی طور پر ٹیگور کی روح کی آواز ہیں۔ جن کا بنیادی خیال، بنیادی جذبہ اور بنیادی آہنگ ایک ہے۔ اس لیے سید ظہیر عباس نے ایک بحر کا انتخاب کر کے غلطی نہیں کی۔ ہاں دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے جس بحر کا انتخاب کیا ہے، اس کے آہنگ کی خصوصیت کیا ہیں؟ اور کیا وہ بحر گیتان جلی کے گیتوں کے ترجموں کے لیے موزوں ہے؟...... سید ظہیر عباس نے اردو منظوم ترجمے کے لیے جس بحر کا انتخاب کیا ہے، اس کا نام بحر رمل ہے۔ یہ بحر دائرہ مجتلبہ سے نکلتی ہے، جو مثمن، مسدس اور مربع تینوں صورتوں میں مستعمل ہے، بحر رمل مثمن سالم کا وزن ہے۔ فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن اردو میں یہ بحر سالم شکل میں مستعمل نہیں۔ اس کی مزاحف شکلیں رائج ہیں۔ میری تحقیق کے مطابق اس بحر کے مضاحف اور رعایتی اوزان ۱۷۵۰ ہیں یہ بحر ایک سمندر ہے۔ جس میں ۱۷۵۰ لہریں ابھر سکتی ہیں۔ سید ظہیر عباس صاحب نے اپنے ترجمے میں ان صورتوں سے استفادہ نہیں کیا محض دو اوزان کو برتا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ بحر رمل مثمن سالم مخبون مخبون و محذوف

فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فَعلُن

اور

۲۔ بحر رمل مثمن مخبون مخبون مخبون و محذوف یا مقصود

فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن فعلان

یہ بحر رواں دواں اور چست ہے۔ اس میں بلا کی روانی اور تیزی ہے۔ اس لیے اس بحر کا آہنگ سنجیدہ افکار اور نازک و نادر خیالات اور شدید جذبات کے اظہار کے لیے موزوں ہے۔ چونکہ گیتان جلی میں فکر کو جذبہ اور جذبے کو فکر بنا دیا گیا ہے اس لیے گیتان جلی کے گیتوں کے ترجمہ کے لیے یہ بحر زیادہ موزوں ہے۔

سید ظہیر باس نے ترجمہ میں ایک اور جدت سے کام لیا ہے۔ انھوں نے ترجمہ کرنے میں بندوں کا التزام کیا ہے، ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ جن کی ترتیب قوافی یہ ہے:

الف........ب

ج........ب

د........د

یعنی دوسرا اور چوتھا مصرع باہم مقفیٰ ہیں اور پانچواں نیز چھٹا مصرع ٹیپ کی شعر کی طرح باہم مقفیٰ ہیں۔ پہلے اور تیسرے مصرع کو قافیہ کی قید سے آزاد رکھا ہے۔ اس طرح ہر گیت کو خیال کے اجزا یا جذبے کے اتار چڑھاؤ کے تحت بندوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

زبان کو محلِ استعمال کے نقطۂ نظر سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بول چال کی زبان، سائنس کی زبان اور ادبی زبان۔ بول چال کی زبان میں ترسیلی عناصر کی فراوانی ہوتی ہے جو اپنا رشتہ عوام اور عوامی اداروں سے استوار رکھتی ہے۔ قواعد کے اصولوں کی سختی سے پابند نہیں ہوتی۔ سائنسی زبان بہت شفاف اور متعین ہوتی ہے۔ اس میں لغوی معانی کی خاص اہمیت ہے۔ ہر لفظ اپنی دلالتِ وضعی کے تحت استعمال ہوتا ہے۔ ہر اصطلاح کا مفہوم متعین ہوتا ہے۔ سائنسی زبان کے عناصر کسی خاص مفہوم کی ترسیل متعین انداز میں کرتے ہیں۔

ادبی زبان بول چال کی زبان عناصر سے فائدہ اٹھاتی ہے لیکن سائنسی زبان سے قطعی مختلف ہوتی ہے۔ چونکہ ادبی زبان کا مقصد اظہار جذبات ہے اس لیے ادبی زبان زیادہ تر زبان

کے مجازی یا تخلیقی عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ زبان کی لغوی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے زبان کی مجازی سرحد وہاں سے شروع ہوتی ہے جب زبان کے لغوی عناصر کسی نازک اور نادر تجربہ کو بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو ادیب یا شاعر زبان کا مجازی یا تخلیقی استعمال کرتا ہے جس میں لغوی الفاظ کو نئے انداز سے برتا جاتا ہے اور نئی زبان تخلیق کی جاتی ہے۔ اس میں تشبیہوں، استعاروں، پیکروں اور علامتوں کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ ادبی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ بیانیہ شاعری کی زبان اور غنائی شاعری کی زبان غنائی شاعری کی زبان بیانیہ شاعری کی زبان سے زیادہ تخلیقی ہوتی ہے۔ ادبی زبان شعری زبان کے روایتی عناصر اور شعری زبان کے نئے اور تازہ کار عناصر پر مشتمل ہوتی ہے۔ کہیں روایتی عناصر کی فراوانی ہوتی ہے کہیں نئے اور تازہ تخلیقی عناصر کی بہتات ہوتی ہے۔ سید ظہیر عباس صاحب نے اپنے ترجمہ میں اس شعری زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا ہے جو صدیوں کی مشاطگی کے بعد استناد کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ شعری زبان کے اس تصور میں روزمرہ اور محاورہ کی صحت، بیان کی سادگی اور سلاست نیز حسن بیان اور ندرتِ بیان کی خاص اہمیت ہے سید ظہیر عباس نے زبان کی زندہ و تابندہ روایات کو حسن و خوبی کے ساتھ برتا ہے اور حسب موقع نئے اور تازہ کار عناصر کی آمیزش کی ہے۔

مجھ کو لافانی و پائندہ بنانے والے
اے خدا تیری مشیت کے تقاضوں کے نثار
ہے مرا قالب کمزور وہ ظرف ناچیز
جس میں ہے روح کی یہ آمد و شد یہ تکرار
کچھ فقط روح نہیں نغمۂ جاوید حیات
ہے یہاں موت بھی خود ضامن تجدید حیات
تو نے اس بانس کی ناچیز سی شہنائی سے
کوہ و وادی میں وہ نغمات کیے ہیں پیدا

جن کی آواز مدھر جن کی ہر اک لے شیریں
جن کے اندازِ ترنم پہ جہاں ہے شیدا
تو نے جو چیز بھی بخشی ہے بھلی بخشی ہے
میرے نغموں کو حیاتِ ابدی بخشی ہے

اے زہے عکسِ جمال رخ زیبا تیرا
نور سے جس کے منور ہے سیہ خانہ دل
خود فراموشی احساسِ مسرت کو نوید!
ہے تری حمد سے آباد یہ ویرانۂ دل
نطق عاجز ہے تری شکر گزاری کے لیے
عہد پھر عہد ہے کیا کر سکے باری کے لیے

برکتیں تیری کہ جن کا نہیں کوئی بھی شمار
میرے بے مایہ و کمزور سے ہاتھوں کی طرف
تری جانب سے شب و روز چلی آتی ہے
لے کے ہمراہ سعادت کو بصد یُمن و شرف
مدتیں گزریں کہ پیہم ہے عطائے عالی
پھر بھی ان چھوٹے سے ہاتھوں میں جگہ ہے خالی

اس گیت کی زبان اور اس کے عناصر گنگا جمنی نوعیت کے ہیں۔ اس میں شعری زبان کے روایتی اور تازہ کار عناصر کی دل کش آمیزش ہے لافانی اور پائندہ بنانے والے کی مشیت کے نثار ہونا، روح کے کمزور قالب میں اس کی آمد و شد کو محسوس کرنا، موت کا ضامن تجدیدِ حیات ہونا ایک طرف خالص شعری زبان ہے اور دوسری طرف اس زبان کے نئے امکانات کی تلاش کا عمل بھی

محسوس ہوتا ہے...... دوسرے بند میں ناچیز سی شہنائی سے کوہ و دشت میں نغمات کا پیدا کرنا، مدھر
آواز، اور شیریں لے اور اندازِ ترنم پر جہاں کا شیدا ہونا، نغموں کو حیاتِ ابدی بخشنا بھی محض برائے
بیت نہیں بلکہ اس اندازِ سخن میں بھی وہی تجدیدِ زبان کا عمل ملتا ہے...... تیسرے بند میں عکسِ جمال
زیبا کے نور سے سیہ خانہ دل کا روشن ہونا۔ خود فراموشی احساسِ مسرت کی نوید کی کیفیت کو محسوس کرنا
اور حمد سے ویرانہ دل کا آباد ہونا، نطق کا شکر کی منزل میں عاجز ہونا دل کش روحانی پیکر یت نہیں تو
کیا ہے...... اسی طرح چوتھے بند میں بے شمار برکتوں کا رخ اپنے کمزور اور بے مایہ ہاتھوں کی
طرف محسوس کرنا اور ان کا شب و روز بصد یمن و شرف سعادت لے کر آنا، پیہم عطائے عالی کا
چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طرف ہونا لیکن پھر بھی ہاتھوں کا خالی رہنا محض برائے بیت نہیں بلکہ
سب میں شعری زبان کے ہارسنگار کے ساتھ نئی اور تازہ کار زبان کی نرم چاپ بھی سنائی دیتی ہے۔
سید ظہیر عباس نے اس بات کا خاص طور پر التزام کیا ہے کہ جذبے کا وفور اور خیال کی تابانی نیز
روحانی و وجدانی کیفیت الفاظ کی تہ کے نیچے دبنے نہ پائے، انھوں نے زبان کو ایک ایسا محدب
شیشہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں شاہدِ معنی کا چہرہ اور اس کے جمال کی ہر جہت
صاف دکھائی دیتی ہے۔

ٹیگور کی گیتان جلی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے اس کے تراجم دنیا کی تقریباً تمام زبانوں
میں ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا ترجمہ ٹیگور نے بنگلہ سے انگریزی میں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ٹیگور
نے اندرا دیوی چودھری کے نام ایک خط میں دلچسپ انکشاف کیا ہے۔

> "تم جانتی ہو کہ جب میرے جسم سے معطر ہوائیں چھو جاتی ہیں تو دل کا
> تار جھنجھنا اٹھتا ہے۔ ایسی فضا میں گیتان جلی کے بنگلہ گیتوں کا انگریزی
> میں ترجمہ کرنے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ایک کاپی سیاہ کر ڈالی اس کاپی کو
> جیب میں رکھ کر جہاز میں سوار ہو گیا۔ جیب میں اس لیے رکھ لی تاکہ
> سمندری سفر میں جب بھی طبیعت ذرا گراں بار ہو تو عرشے پر آ جاؤں
> اور ترجمہ شروع کر دوں۔ واقعتاً بھی یہی ہوا۔ ایک کاپی کے بعد دوسری کاپی

> بھر گئی۔"

یہ ہے گیتان جلی کے انگریزی روپ کی شانِ نزول۔ میری نگاہ میں گیتان جلی کے وہ گیت
جو انگریزی میں ہیں۔ بنگلہ گیتان جلی کا ترجمہ تو ہیں ہی، ان کا اپنا آزاد وجود بھی ہے۔ ٹیگور نے
دراصل انگریزی ترجمہ میں ان گیتوں کی از سرِ نو تخلیق کی ہے۔ اس ترجمہ میں وہی، سرمستی، نغمگی،
حسن اور رومانیت ہے، جو بنگلہ زبان کی گیتان جلی میں ہے۔ یورپ کے قیام کے درمیان ان
گیتوں کو روتھنسٹائن نے دیکھا اور ڈبلیو۔ بی ایٹس کو بھیج دیا اور ایٹس نے ان گیتوں کو اپنے مقدمے
کے ساتھ شائع کر دیا اور پھر انگریزی سے اس کا ترجمہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ہو گیا۔ یوں تو
ہر فنکار اپنی شاعری کے بارے میں مخصوص خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دنیا کے اکثر باشعور اور
بڑے فنکاروں کو واقعتاً اپنے فن کی لطافتوں اور عظمتوں کا بھرپور ادراک ہوتا ہے، جس کا اظہار
مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ ٹیگور نے گیتان جلی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے:

> "گیتان جلی میں میرے جو گیت ہیں۔ وہ میں نے قصداً نہیں لکھے
> دراصل یہ میری روح کی آواز ہیں۔ میری روح کی عبادتیں ہیں۔ ان
> کے اندر میری زندگی کے وہ سارے دکھ سکھ اور وہ ساری کیفیتیں ہیں، جو
> الفاظ کا روپ اختیار کر چکی ہیں۔"

اس طرح گیتان جلی ٹیگور کی شخصیت، فن اور عہد کا ایک ایسا فنکارانہ مظہر ہے، جو دور تک
اور دیر تک انسانی فکر و ذہن کو مسرت کے ساتھ بصیرت عطا کرتا رہے گا۔

ٹیگور کا تخلیقی ذہن بے حد فعال ہے جس کی نشو و نما کئی سطحوں پر ہوتی ہے۔ انھوں نے بنگال
کی اس زمین پر آنکھ کھولی، جو فنونِ لطیفہ کو خاص طور پر راست آتی ہے۔ ادب ہو یا موسیقی، رقص ہو
یا مصوری بنگال کے مزاج کا حصہ ہے۔ ٹیگور نے بنگال کی مٹی سے کبھی اپنا ذہنی رشتہ منقطع نہیں کیا۔
بلکہ اس کے سماجی اور تہذیبی سرچشموں سے ہمیشہ فیض اٹھایا ہے مقامیت کمزور فنکاروں کی کمزوری
ہوتی ہے۔ لیکن ٹیگور نے اس کو طاقتور بنایا۔ انہوں نے اپنی زمین اپنے موسموں اور قدرتی مناظر
سے ٹوٹ کر پیار کیا۔ ان میں گونجتی ہوئی روح کا نغمہ سنا۔ اور اس کو اپنے دل کی دھڑکنوں کے سرگم

پر گیا...... دوسری سطح پر انھوں نے ہندوستان کے ماضی سے اپنا رشتہ استوار کیا۔ اور ان تہذیبی قدروں سے استفادہ کیا جو ہندوستان تہذیب کی جان ہیں اور جن سے زندگی میں ایک نئی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے ان ہندوستانی فلسفوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا جو حیات اور کائنات کے چہرے سے ایک نئے انداز سے نقاب اٹھاتے ہیں۔ اپنی شدوں کا فکری پہلو ان کے مزاج سے قریب تر تھا، اس لیے انھوں نے اُپنی شدوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ ادویت واد سے لے کر دویت واد تک ہر فکری لہر کو جذب کرنے کی کوشش کی۔ جس نے ان کے ذہن کو روحانی اسرار و رموز سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ کیا۔ بھگتی تحریک، وشنومت کی شاعری اور کرشن بھگتی نے اس کو نیا رنگ عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیگور کی شاعری میں فطرت کے جمال کے ساتھ، انسانی ذہن کی پراسرار طاقت بولنے لگتی ہے اور جب صداقت کی یہ تابانی ایک ابدی مسرت کی لہر بن کر کائنات کی ہر سطح پر رقص کرنے لگتی ہے تو شاعر کی شخصیت سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ ٹیگور نے ایک جگہ لکھا ہے:

"میں مختلف طریقوں سے ظاہر ہونے والی آواز ہوں میں اس لامحدود کی آواز ہوں، جس کے بے شمار پہلو ہیں۔ اور یہ پہلو مختلف النوع ہیں۔ میں اس غیر مختتم بے نام مسرت اور آئندہ کی آواز ہوں، جو تمام چیزوں میں جاری و ساری ہے"...... اور "وہ مسرت جو مرکز تخلیق ہے، میری دلی آواز ہے۔ اور میری زندگی کا مقصد ہے۔"

اس طرح ٹیگور کی شخصیت اور شاعری اس صوتِ سرمدی، اس لازوال تخلیقی مسرت اور اس ابدی آواز کا ایک حصہ ہے جو حقیقت اعلیٰ ہے اور حاصل ہر صداقت ہے۔ تیسری سطح پر، انھوں نے بین الاقوامی صورت حال سے اپنا ذہنی رشتہ استوار کیا۔ انھوں نے اپنے ذہن کے دریچہ مغرب کی ان ہواؤں کے لیے کھلے رکھے جو اپنے دامن میں نئی خوشبو لاتی ہے۔ ٹیگور نے اپنی زمین پر مضبوطی سے قدم جما کر، ستاروں کو چھونے کی کوشش کی۔ انھوں نے بچپن میں جگنوں پکڑنے کی جو کوشش کی تھی، اسی نے انھیں آگے چل کر آفتاب کو اسیر کرنے پر مائل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیگور کا ذہن ایک آزاد ذہن ہے۔ متحرک اور حقیقت جو ذہن ہے ایک بے کراں اور تخلیقی ذہن ہے۔

ٹیگور کی شخصیت کا یہ روحانی اور فلسفیانہ پہلو ان کی شاعری میں بھی جلوہ گر ہے۔ جس سے اس میں شدید معنویت پیدا ہوتی ہے۔ ٹیگور کی شعری فکر میں جذبہ عشق شامل ہے۔ صوفیاء کے نزدیک عشق ایک بنیادی جذبہ ہے جو تخلیقِ کائنات کا سبب ہے۔ حقیقت اعلیٰ کو جب اپنا جمال دیکھنے کی خواہش ہوئی تو اس نے اپنی اصلیت میں سر مو فرق نہ فرماتے ہوئے کائنات کو تخلیق کیا۔ اس طرح کائنات ایک آئینہ ہے اور خواہش خود بینی سبب تخلیقِ کائنات ہے، جس کو صوفی اور بھگتوں کی زبان میں پریم اور عشق کہا جاتا ہے۔ گیتانجلی کے گیتوں میں عشق خون بن کر دوڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

عبد ناچیز کو یا رب وہ بصیرت ہو عطا
کہ ہر ایک شے میں ترا جلوہ زیبا دیکھوں
مرکزِ شوق فقط تو ہو ہر اک سمت مرا
میں ترا نور بہ اخلاص و تمنا دیکھوں
مجھ میں باقی رہے بس اتنا خودی کا احساس
سامنے میرے تو بے پردہ رہے میرے پاس

عبد ناچیز کو ہر شے میں اس کا جلوہ دیکھنے کی خواہش کرنا اور صرف اسی کو بے پردہ قریب سے دیکھنے کی آرزو کرنا سراسر جذبہ عشق ہے اور اسی کی کارفرمائی ہے۔ ان اشعار میں ایک خاص طرح کا والہانہ پن ہے۔ کرشن بھگتی کے انداز میں اس وارفتگی کو ملاحظہ فرمایئے:

اس تصور میں ہوں گم، دیکھنے والے سب لوگ
جب مرے حال پہ دیکھیں گے نوازش تیری
تو جب آ جائے گا بے کس کا سہارا بن کر
جب ترے رتھ میں ترے پاس جگہ ہو میری
ہوں گی میں لرزہ براندام خوشی کی ماری
جیسے چلنے سے صبا، بیل کی شاخیں ساری

ان اشعار میں رتھ میں پریتم کے پاس بیٹھنے کی تمنا، پھر اس تصور سے بیل کی شاخوں کی طرح بادِ صبا چلنے کے لرزہ براندام ہو جانا محض یوں ہی نہیں بلکہ پس پردہ ہندوستانی تہذیب کی جلوہ گری ہے۔ جس پر رادھا کنہیا کے معاشقہ کا گہرا اثر ہے۔

گیتان جلی میں ویدانتی اور وحدت الوجودی فکر بھی ملتی ہے۔ وجودی فکر کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر ہے۔ جس کو صوفیاء نے اپنی زبان میں لامطلوب الا اللہ، لامقصود الا اللہ اور لاموجود الا اللہ کہا ہے۔ وجودی فکر کا سنگِ بنیاد ''ہمہ اوست'' اور اصول۔ ''ہمہ موجود یک وجود حق داشتن'' ...... ہے وجودی فکر میں وجود اور موجود ایک سے زیادہ نہیں۔ حقیقت اعلیٰ ذات اور صفات کی حامل ہے۔ اس نے مرتبہ قدیم یعنی باطن میں سرِ مو تبدیلی نہ فرماتے ہوئے مرتبہ ثانی یعنی خارج میں ظہور کیا ہے۔

مرتبہ ذات میں حقیقت اعلیٰ واحد ہے اور مرتبہ صفات میں تکثیر اور تنوع ہے یہ تکثیر اور تنوع حقیقی نہیں اضافی ہے۔ اس طرح کائنات میں جو کچھ ہے حق ہے بلکہ عین حق ہے۔ ہو الاوّل۔ ہو الآخر، ہو الظاہر، ہو الباطن اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ گیتان جلی پر وجودی فکر کا کافی اثر دکھائی دیتا ہے۔

اے خداوند جہاں فاطر الا فلاک عظیم
آشیاں میں بھی ہے تو عرصہ افلاک میں بھی
تو کہ ہے حسن سراپا تری الفت ہی فقط
کارفرما ہے ازل سے خس و خاشاک میں بھی
رنگ سے صوت سے خوشبو سے یہاں ظاہر ہے
تو ہی اول مری دنیا کا تو ہی آخر ہے

ان اشعار میں خداوند جہاں کا آشیاں سے افلاک تک ہر جگہ ہونا، اس کو حسن سراپا قرار دینا، ازل سے اس کا خس و خاشاک تک میں کارفرما ہونا، رنگ، صوت، خوشبو سے اس کا ظاہر ہونا نیز اسی کا اول و آخر ہونا خالص وجودی فکر ہے۔

ویدانتی فکر کی بنیاد ''ایکو برہم دوئی ناستی'' پر ہے۔ ودانتی فکر کے مطابق کائنات کا اپنا وجود

نہیں ہے۔ اصل وجود ''برہم'' ہے برہم خالص عقل خالص سکون خالص آنند ہے اور غیر متغیر بھی ہے۔ صورت عالم مایا ہے۔ دھوکا اور متھیا ہے۔ جہل اور اودیا ہے۔ شہودی فکر کی طرح ویدانتی فکر بھی کائنات کو غیر حق قرار دیتی ہے۔ اور وجودی فکر کی طرح برہم اور ذات باری کو وجود حقیقی قرار دیتی ہے۔ ویدانتی فکر کے مطابق انسان کی آنکھوں پر جہل کا پردہ جس کی وجہ سے کائنات کا الگ وجود نظر آتا ہے۔ اگر گیان حاصل ہو جائے تو یہ پردہ اٹھ جاتا ہے اور وجود حقیقی یعنی برہم نظر آنے لگتا ہے۔ گیتان جلی میں یہ رنگ بھی ملتا ہے۔

جال مایا کا سنہرا کہ رو پہلا اس جا
مختلف رنگوں سے وہ اسکو مزین کر کے
ڈال دیتا ہے اسے اہل جہاں کے آگے
اس میں پھر خود ہی نیا رنگ فنا کا بھر کے
اپنے آثار کو کرتا ہے ہویدا مجھ پر
جس کے ہر لمس سے ہوتا ہے تحیّر یکسر

مایا کا جال رو پہلا اور سنہرا ہونا۔ اس کا مختلف رنگوں سے مزین ہونا انسان کی آنکھوں پر اس کا ڈالا جانا اس کا فنا آثار ہونا اور اس انداز سے وجود حقیقی کا اپنے آثار و احوال کو انسان کے دل پر ظاہر کرنا اور ہر لمس سے تحیر پیدا کرنا ویدانتی فکر کا بہترین شاعرانہ اظہار ہے۔

گیتان جلی میں فکری و فلسفیانہ بصیرت اخلاقی و تہذیبی قدروں نیز وجدان و جذبات کی کیفیت بھی کچھ ہے۔ اور سید ظہیر عباس صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ٹیگور کے وجدانی و شعری کو اپنا وجدانی و شعری تجربہ بنا کر منظوم ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔ جس میں روحانی بصیرت کے ساتھ فنی اور تخلیقی حسن بھی ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو اس ترجمہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا منظوم ترجمہ بناتی ہیں ...... مجھے یقین ہے کہ سید ظہیر عباس کا گیتان جلی کا یہ ترجمہ اردو دنیا میں مقبول ہو کر خراج تحسین حاصل کرے گا۔ برادرم سید سلیمان علی خاں بھی شکریے کے مستحق ہیں، جو اس منظوم ترجمہ کو زیور طبع سے آراستہ کر کے قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔

مجھ کو لافانی و پائندہ بنانے والے
اے خدا تیری مشیت کے تقاضوں کے نثار
ہے میرا قالب کمزور وہ ظرفِ ناچیز
جس میں ہے روح کی یہ آمد و شد یہ تکرار
کچھ فقط روح نہیں نغمۂ جاویدِ حیات
ہے یہاں موت بھی خود ضامن تجدید حیات

تو نے اس بانس کی نا چیز سی شہنائی سے
کوہ و وادی میں وہ نغمات کیے ہیں پیدا
جن کی آواز مدھر جن کی ہر اک لے شیریں
جن کے آہنگ ترنم پہ جہاں ہے شیدا
تو نے جو چیز بھی بخشی ہے بھلی بخشی ہے
میرے نغموں کو حیات ابدی بخشی ہے

اے زہے عکسِ جمالِ رخِ زیبا تیرا
نور سے جس کے منور ہے سیہ خانۂ دل

خود فراموشی احساس مسرت کو نوید
ہے تیری حمد سے آباد یہ ویرانۂ دل
نطق عاجز ہے تری شکر گزاری کے لیے
عہد پھر عہد ہے کیا کہہ سکے باری کے لیے

برکتیں تیری کہ جن کا نہیں کوئی بھی شمار
میرے بے مایہ و کمزور سے ہاتھوں کی طرف
تیری جانب سے شب و روز چلی آتی ہے
لے کے ہمراہ سعادت کو بصد یمن و شرف
مدتیں گذریں کہ پیہم ہے عطائے عالی
پھر بھی ان چھوٹے سے ہاتھوں میں جگہ ہے خالی

- - - - - - - - - -

حکم جب نغمہ سرائی کا مجھے ملتا ہے
میرے مالک ترے الطاف، و نوازش کی قسم
مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے کہیں جل نہ اٹھے
دل مرا فخرِ مسرت سے بامید کرم
جب ترے جلوؤں کا ہوتا ہے تصور میں نمو
میری آنکھوں سے نکلتے ہیں خوشی کے آنسو

حاملِ رنجِ معاصی یہ میری تلخ حیات
حمد سے نغمہ شیریں میں بدل جاتی ہے
میرے مالک تری نسبت سے پرستش میری
خود مرے دل کے لیے ایسی خوشی لاتی ہے
جیسے طائر کوئی قلزم پہ تگ تاز کرے
وسعت بحر پہ اک عزم سے پرواز کرے

جانتا ہوں کہ تو اس حمد و ثنا سے خوش ہے
میں تیری بزم میں بے مایہ گدا ہوں تیرا
ہاں تیری بار گہہِ قدس کو چھو سکتا ہوں
اپنے نغموں سے کہ میں نغمہ سرا ہوں تیرا
میں کہاں اور تری جلوہ گہہ ناز کہاں
لے کے جاتی ہے مجھے نغموں کی پرواز کہاں

محو ہو جاتا ہوں یوں حمد و ثنا میں تیری
میرے مالک کہ میں خود کو بھی بھلا دیتا ہوں
ہائے یہ عالم سر مستی نیرنگ خیال
تجھ کو محبوب سمجھ کر میں صدا دیتا ہوں

گو بصد لطف ہر اک چیز میں موجود ہے تو
پھر بھی میں عبد ہوں مالک میرے معبود ہے تو

- - - - - - - - - -

ناشنیدہ وہ ترا نغمۂ شیریں یارب
جو خموشی میں بہ حیرتکدۂ حسنِ خیال
جگمگا دیتا ہے دنیا کے سیہ خانوں کو
نورزا کتنی ہے نغموں کی یہ تنویرِ جمال
روشنی نغمۂ توحید کی افلاک میں ہے
اور طوفاں کا نمو زمزمۂ پاک میں ہے

جانتا ہوں کہ ترے نغمہ شیریں کے حضور
ہے تمنا یہ عبث تیرا ہم آہنگ رہوں
ہمنوائی میں تری جب بھی ہوا نغمہ سرا
عجز سے ہوتی ہے کاوش یہ میری سعیٔ جنون
اے زہے تیرا یہ جذبِ ہمہ گیر نغمہ
اے خوشا بخت ہوں میں تیرا اسیرِ نغمہ

- - - - - - - - - -

جانِ جاناں یہ ہمیشہ مری کوشش ہو گی
کہ رکھوں خود کو بہر حال ہر اک عیب سے دور

تا بہ امکاں یہ ضروری ہے کہ پاکیزہ رہوں
جب تیرا پاک تصرف ہے مجھی میں مستور
عہد کرتا ہوں میں دوری کا ہر اک باطل سے
عقل کو نور دیا تو نے سوادِ دل سے

میرے آقا میرے مالک میں کروں گا کوشش
ہر برائی سے کروں پاک حریمِ دل کو
اپنے گُل ہائے عقیدت کو رکھوں گا تازہ
ان سے آراستہ رکھنا ہے تری محفل کو
تو نے بخشی ہے مجھے کار جہاں کی طاقت
دوں گا ہر کام کو میں تیری رضا سے رفعت

- - - - - - - - - -

میں سراپا متمنی ہوں تری قربت کا
دل میرا نور سے یارب ترے معمور ہے
وہ بھی کر لوں گا جو کار جہاں واجب ہیں
پر جو تو پاس نہ ہو مجھ سے ہر اک دور رہے
بے ترے کچھ بھی نہیں میری توانائی میں
جیسے مجبور کوئی بحر کی گہرائی میں

میرے ماضی کے لیے نوحہ کناں آ ہی گئے
دن بہاروں کے مرے در پہ لیے رنگِ بہار
راہ عرفاں میں مری راہبری کرتے ہیں
مکھیاں شہد کی یہ اور یہ پھولوں کا نکھار
وقت آیا ہے کہ میں غرقِ یمِ ذات رہوں
تیرا شاکر بچے انفاس میں دن رات رہوں

- - - - - - - - - - -

آہ یہ قلبِ فسردہ گُلِ ناچیز مرا
تیری سرکار میں مَیں لے کے جسے آیا ہوں
دے شرف اس کو کہیں تیرا اگر حسن قبول
میں یہ سمجھوں گا کہ ہاں میں بھی گراں مایا ہوں
خوف ہے مجھ کو میرا گلِ صد چاک کہیں
ہو کے پژمردہ نہ گر جائے سرِ خاک کہیں

پھول نذرانہ یہ میرا ترے قابل تو نہیں
پر جو تو چاہے تو یہ حسن میں یکتا ہو جائے
میرے مالک مرے نذرانہ کو دے حُسنِ قبول
اس سے پہلے کہ زمانہ میں اندھیرا ہو جائے

رنگ و بو گو مرے گلہائے عقیدت میں نہیں
پر جو تو چاہے تو کیا تیری عنایت میں نہیں

- - - - - - - - - - -

میرے نغمات گریزاں ہیں اب آرائش سے
ان کو اب زینتِ الفاظ پہ کچھ ناز نہیں
بے ضرورت یہ تصنع ہے آدابِ نیاز
ایسے نغمے ہیں عبث تجھ سے جنھیں ساز نہیں
میرے گیتوں سے جدا ایسا ترنم ہو جائے
جس کی جھنکار میں آواز تری گم ہو جائے

شاعرانہ یہ تعلّی یہ مرا زورِ کلام
رو برو تیرے مُبذل بہ حیا ہوتا ہے
تو کہ مرکز ہے مری فکرِ رسا کا یا رب
دل مرا تیرے لیے نغمہ سرا ہوتا ہے
سادگی دے مجھے اک سادہ سی شہنائی کی
جس میں لے ہو تری توحید کی یکتائی کی

- - - - - - - - - - -

اُف یہ شاہانہ لباس آہ یہ زریں ملبوس
اور یہ زیبِ گلو گوہر و الماس کا ہار

طفلِ آزاد کو پابند بنا دیتا ہے
ہر قدم فطرتِ بیباک کو ہیں سو آزار
خوف رہتا ہے نہ ملبوس مسل جائے کہیں
اس تکلف میں تو پہلو کوئی راحت کا نہیں

یہ حقیقت ہے کہ بیکار ہے وہ آرائش
جس میں نایاب ہو انساں کے لیے راحتِ دل
منفعت بخش ہے دراصل غُبارِ گیتی
جوہرِ ہمت مردانہ ہے خاکِ منزل
عرصۂ منزلِ ہستی میں وہ ناکامؔ رہے
قافلے راہ گذر میں جو سبک گام رہے

- - - - - - - - - -

اے اسیرِ قفسِ حرص و ہوا دیوانے
زیست کے بار کو خود اپنے سردوش نہ لے
اپنے دروازے کی دریوزہ گری خوب نہیں
اپنی ہر نیک ضرورت کو بس اب سونپ اسے
جو مددگار ہے اور پالنے والا سب کا
ہے وہی رب وہی اللہ تعالیٰ سب کا

یہ تری خواہش ناپاک بجھا دیتی ہے
دل کے اس نور کو جس سے دل روشن ہے
تیری خواہش کہیں غارت گر ادراک نہ ہو
حرص تیری پہ کالائے خرد رہزن ہے
جو بھی نازیبا ہو تحفہ اسے منظور نہ کر
خود سے اللہ کی معصوم عطا دور نہ کر

- - - - - - - - - -

میرے مالک ترے آثار مقدس کی قسم
یوں تو ہر ایک جگہ ہے ترے جلوؤں کا ظہور
پر مجھے راہگذر تیری وہاں ملتی ہے
جس جگہ رہتے ہیں نادار جہاں ہیں مزدور
آہ یہ سعیِ پرستش یہ حرم کے سجدے
مجھ سے ہیں دور ترے نقشِ قدم کے سجدے

اِس طرف مجھ میں سمائے ہیں غرور و نخوت
اُس طرف عجز پسندی تری رحمت کا شعار
مین بقیدِ حرم و دیر یہاں پر سرگرداں
تو وہاں ہے کہ جہاں رہتے ہیں مفلس نادار

اے خدا ذوقِ تجسس مرا ناکام رہا
تو دیارِ غُربا میں سحرو شام رہا

- - - - - - - - - - -

یہ عبادات یہ خلوتکدۂ دیر و حرم
یہ پرستش یہ بھجن اور یہ تسبیح و نماز
ان رواسم سے وہ مانوس نہیں ہے غافل
سازِ وحدت کے لیے ہیں یہ طریقے ناساز
وہ وہاں ہے کہ جہاں حسن عمل رقصاں ہے
جس جگہ سعی مسلسل ہی فقط ایماں ہے

لو میں اور دھوپ میں جو بیٹھ کر پتھر توڑے
اس کو بھاتے ہیں پھٹے کپڑے غبار آلودہ
ہے وہ مزدور کا ہمدرد کسانوں کا انیس
کب ملی ترکِ علائق سے یہاں آزادی
کارِ تخلیق ہے حق کا شغب بنیادی

وہ سمادھی میں نہ ہے دھیان کی یکسوئی میں
وہ نہ ان پوجا کے پھولوں نہ اگر سے خوش ہے

اس کو مزدور کے ماتھے کا پسینہ محبوب
وہ اگر خزش ہے تو بس اہل جگر سے خوش ہے
اس سے ملنا ہے تو خوش ہو کے صعوبات اٹھا
حسب توفیق مشقت یہاں دن رات اٹھا

- - - - - - - - - - - - -

وہ مسافر ہوں بہت دور جسے جانا ہے
اور ہے میرے لیے وقت سفر کا بھی طویل
نور کی پہلی کرن میرے سفر کا آغاز
یہ ستارے یہ بیاباں میری جرأت کی دلیل
ظلمت دہر میں بھی جلوہ نما ملتے ہیں
میرے ہر راہ میں نقش کف پا ملتے ہیں

عزم درکار ہے رہرو کو رسائی کے لیے
جو ترے قرب سے گذریں ہیں وہ راہیں ہیں طویل
جس طرح مشق ضروری ہے مغنی کے لیے
جیسے تعلیم خوش آہنگی نغمہ کی کفیل
اپنے دروازے پہ رہروکو رسائی کے لیے
پڑتے ہیں غیر کے در ناصیہ سائی کے لیے

اس سے پہلے کہ بشر اپنی حقیقت جانے
خاک دنیا کی اسے چھاننی پڑتی ہے ضرور
جستجو جس کی لیے پھرتی ہے یوں آوارہ
کون اس حال سے واقف وہ کہاں ہے مستور
جب بصد اشک الم دی اسے میں نے آواز
وہ مرے دل میں ملا حسن یقین

حیف وہ نغمہ جو اب تک نہ لبوں پر آیا
ہاں وہی نغمہ ہے اب بھی مرا مقصودِ حیات
ساز کو آہ خوش آہنگ بنانے کے لیے
کتنے کچھ صرف کیے میں نے یہاں پر دن رات
حیف وہ نغمہ مغنّی جسے خود گا نہ سکا
ہائے وہ ساز کہ جو تشنۂ مضراب رہا

تال اظہارِ حقیقت کو مناسب نہ ملی
مجھ سے الفاظ کی ترتیب بھی کچھ ہو نہ سکی
وہ تمنا کہ ہے بیتاب مرے سینے میں
پا کے مقصود مرے دل سے خلش دھو نہ سکی

نفسِ سرد صبا لائی سکوں مل نہ سکا
غنچہ بیتاب ہے کھلنے کو مگر کھل نہ سکا

ذوقِ دیدار ہے بیتاب تجلی کے لیے
اور میں کب سے یہاں گوش برآواز بھی ہوں
بے نیازی کی تری سچ ہے کوئی حد ہی نہیں
میں کہ بیگانہ بھی تیرا، ترا ہمراز بھی ہوں
پیش خانہ جو مرے راہ گذر جاتی ہے
تیرے قدموں کی خوش آہنگ صدا لاتی ہے

زینتِ مسند محبوب کوئی کھیل نہیں
عمر بھر دل کو بہر طور سجانا ہے مجھے
خلوت دل میں اسے آج بلا لوں کیونکر
ابھی عرفاں کا دیا بھی تو جلانا ہے مجھے
جی رہا ہوں بہ امید ملاقات ہنوز
ہے بہت دور مگر عیدِ ملاقات ہنوز

- - - - - - - - - - -

میں کہ مرکز ہوں ہزاروں ہی تمناؤں کا
قابلِ رحم ہے مالک میرے فریاد میری

جز ترے لطف و کرم کے اسے اب کیا کہیے
تیری منکر تو نہیں فطرتِ آزادی میری

ہر تمنا سے بچا کر مجھے بخشے یکسر
قالب و روح و فلک نور و ہوا قلب و جگر

حسب بیداریٔ احساس مجھے تیری تلاش
بے نیازی سے تو روپوش پسِ پردۂ ناز
اک طرف دخل ہے غفلت کو میری فطرت میں
اک طرف مجھ کو جگاتا ہے مرا ذوقِ نیاز
اے زہے تیرے حجابِ رخِ زیبا کی کشش
جس نے بخشی ہے مرے دل کو تمنا کی خلش

- - - - - - - - - - -

میرے مالک میں تری نغمہ سرائی کے لیے
بزم کونین کی وسعت میں ہوں اک گوشہ نشیں
بجز یہ بے ربطی آہنگِ طراز نغمہ
اس خدائی میں تری میرے لئے کام نہیں
جب ہو پوجا کا سماں رات کی ویرانی میں
دے اجازت کہ ہوں میں محو ثناخوانی میں

سازِ فطرت کو نسیم جب چھیڑے
اور ہنگامِ سحر بربطِ زریں آئے
باہمہ آرزو یئے شوق بایں حال خراب
کاش یہ عبد ترا اذن حضوری پائے
مجھ کو لے جائے تصور ہی تری محفل میں
یا ترا جلوہ منور ہو سوادِ دل میں

- - - - - - - - - - -

عرصۂ شورشِ ہستی میں بلانے والے
خوش ہوں مل گیا مجھ کو مرا مقصودِ حیات
یہ تماشا کہ ہے فردوسِ نظر جنتِ گوش
مرکز فکر و نظر میرا رہا ہے دن رات
جشن میں آ کے ترا حکم جو پایا میں نے
مجھ سے جیسا بھی ہوا ساز کو چھیڑا میں نے

اے خداوندِ جہاں خالقِ ہر کون و مکاں
یہ بتا تجھ کو حجابِ رخِ زیبا کی قسم
در خورِ قرب ہوا اب بھی یہ عبد ناچیز
یا ابھی مہر و وفا کا میری اخلاص ہے کم

دے اجازت بدرِ خلوتِ ناز آجائے
یہ گدا بھی پئے تسلیم و نیاز آجائے

- - - - - - - - - - -

منتظر کب سے بہ بازارِ جہاں ہوں یا رب
کہ کہیں مجھ کو یہاں جنسِ محبت مل جائے
ہوئی تاخیر بھی اور مجھ سے خطائیں بھی ہوئیں
اس سبب سے کہ وفا کی مجھے قیمت مل جائے
منتظر جس کا ہوں میں، ہے وہ محبت مفقود
ساری دنیا میں ملے مجھ کو رسم اور قیود

ہر نفس دہر میں افسوس تجارت ہی ملی
مُلتفت میں نہ ہوا یہ بھی ہے الزام درست
دعوتِ دید تماشا ہے عبث میرے لیے
ہیں میرے حق میں محبت ہی کے احکام درست
مجھ سے ناخوش ہے زمانہ کہ وفا کیش ہوں میں
لوگ کہتے ہیں کہ نا عاقبت اندیش ہوں میں

- - - - - - - - - - -

آہ یہ چرخ یہ گھنگور گھٹائیں کالی
اور سمٹا ہوا یہ دامنِ ظلمات میں نور

بیکسی بخت کی ہے اُف یہ میری تنہائی
اور کب تک میں رہوں بارگہِ حُسن سے دور

دوپہر شغل میں دنیا کے گذر جاتی ہے
اس اندھیرے میں مجھے یاد تری آتی ہے

حیف گر تو نہ دکھائے رخِ زیبا اپنا
تو اگر مجھ کو بایں وقت فراموش کرے
کس کو معلوم کہ بارش کا یہ ہنگامِ طویل
بارِ ہستی سے کہاں مجھ کو سبکدوش کرے
دل بہ تاریکیِ افلاک ہے تیرا خواہاں
ہر نفس نوحہ کناں میں بہ دمِ سرد یہاں

- - - - - - - - - - -

میرے مالک نہ کیا تو نے اگر مجھ سے کلام
خامُشی سے تیری آباد کروں گا دل کو
اپنا ناکامیِ قسمت پہ رہوں گا خاموش
صبر کے ساتھ گذاروں گا میں ہر مشکل کو
جس طرح چرخ پہ وادیدۂ ہر کوکب ہے
منتظر صبح کی سرخم کیے جیسے شب ہے

بالیقیں نورِ سحر دہر میں پھیلے گا ضرور
اور تاریکیٔ شب ہو گی جہاں سے کافور
دامن چرخ سے پھوٹے گی وہ جوئے انوار
جس سے وابستہ ملے گا تری آواز کا نور

گیت گائیں گے ترے زمزمہ پردازِ چمن
تیرے پھولوں سے نکھر جائیں گے اندازِ چمن

- - - - - - - - - -

شومیٔ بخت کہ دل میرا ہی مائل نہ ہوا
کھل کے مرجھا بھی گیا پھول کنول کا اک روز
میں تمنائی بھی تھا اور تہی دامن بھی
دل میں غفلت کے سبب جذب دروں تھا بے سوز
گاہے گاہے غم دل نے مجھے ہشیار کیا
دفعتاً خوابِ گراں سے مجھے بیدار کیا

بوئے پاکیزہ و خوش لے کے ہوا جب آئی
قلب میں میرے ہوا دردِ تمنا پیدا
وہ بہاروں کا تمنائی ہوا کا جھونکا
اپنی تکمیل کی خاطر جو ہوا تھا پیدا

میں نہ سمجھا جو نفس تا بہ مشام آیا تھا
خود مرے دل سے بہاروں کا پیام آیا تھا

- - - - - - - - - -

لازماً اب یہ سفینہ ہو سپردِ دریا
حیف وہ وقت جو ساحل پہ گذارا میں نے
پھول سب کھل بھی چکے فصلِ بہاراں گذری
اپنی غفلت کے سبب سر نہ ابھارا میں نے
مطمئن وقت کو برباد کیے بیٹھا ہوں
پھول افسردہ سے دامن میں لیے بیٹھا ہوں

اف یہ بڑھتا ہوا موجوں کا تلاطم ہر دم
صاف دیتا ہے خبر فصلِ خزاں آ ہی گئی
زرد رُو برگ درختوں سے گرے ساحل کے
اور اداسی بر ہر راہگذر چھا ہی گئی
میں کہاں ہوں مجھے دیتا ہے کوئی آواز
نغمہ عشق سے ہے بربطِ دل کیوں نا ساز

- - - - - - - - - -

جب کہ برسات میں ساون کی گھٹائیں کالی
وقتِ شب پھیلتی جاتی ہے فلک پر ہر سو

اس خموشی میں محبت کی گذر گاہوں سے
مثلِ شب آہ دبے پاؤں گذرتا ہے تو
یوں لگاتار چلی آج ہوا پروائی
پردہ ابر میں افلاک کو بھی نیند آئی

آج صحرا کی خموشی میں کوئی گیت نہیں
اور در بند ہے ہر ایک صنم خانے کا
اک فقط تو ہی مسافر ہے گذر گاہوں میں
تو کہ عنواں ہے میرے زیست کے افسانے کا
آ کے ظلمت کدہ قلب کی زینت بن جا
اے مرے خواب کی تعبیر حقیقت بن جا

- - - - - - - - - - -

کیا محبت کے لیے عزمِ سفر ہے اے دوست
اور اس شب میں کہ ہے تیرہ وطوفاں بردوش
دلِ شکستہ کوئی انسان ہو جیسے گریاں
سینۂ چرخ پہ پُرجوش فغاں کا ہے خروش
آج ان آنکھوں سے کیوں نیند ہوئی ہے نایاب
وارُخِ روشن گیتی پہ ہے ظلمت کی نقاب

کوششِ دید میں میں وا کر کے درِ خانہ دل
بارہا رہ گیا آئینۂ حیرت بن کر
سامنے کچھ بھی نہیں تیرگیِ شب کے سوا
مجھ کو جانا ہے کہاں اور مری منزل ہے کدھر
میری جانب تیرے جلوؤں کی نظر کب ہو گی
میری تاریکیٔ قسمت کی سحر کب ہو گی

میرے محبوب مجھے اتنا اشارہ کر دے
کہ مرا دل ہے تری سعیِ سفر کی منزل
یہ اندھیروں میں بیاباں کے بھیانک سائے
اُف یہ ظلمت کے دریا کے بھیانک ساحل
اسی ظلمت سے ملے کاش مجھے اب یہ شرف
جلوہ ہائے رُخِ روشن ہوں ترے میری طرف

جب کہ دن ختم ہوا اور ہوئی شب آغاز
جب پرندوں پہ خموشی ہوئی طاری یکسر
جب ہوا تھک کے مسافت کے سبب تھم ہی گئی
مجھ پہ بھی ڈال دے ظلمات کی موٹی چادر

چادرِ خواب نے جس طرح زمیں کو ڈھانکا
پھول جیسے کہ سرِ شام کنول کا سویا

وہ مسافر میں سرِ راہ وفا ہوں یارب
جس کی منزل کے لیے زادِ سفر کچھ بھی نہیں
اپنی غربت کے سبب مجھ کو حیا آتی ہے
تیری رحمت کے سوا جس سے مفر کچھ بھی نہیں
عرصۂ زیست میں کچھ بھی نہ رہا میرے پاس
تن پہ میلا سا فقط ہے مرے بوسیدہ لباس

اف وہ رہرو کہ جسے تابِ سفر تک نہ رہے
نورِ منزل کے لیے ذوقِ نظر تک نہ رہے

میرے مالک مجھے اب تاب و توانائی دے
حوصلہ دل کو طبیعت کو شکیبائی دے
ظلمتِ بخت کو اور زیست کی تاریکی کو
اپنے الطاف سے رنگینی و رعنائی دے
شب کو جس طرح شگفتہ گلِ تر ہوتا ہے
صبح کو باعثِ تسکینِ نظر ہوتا ہے

یہ دعا ہے کہ وہ توفیق مجھے دے یارب
جس سے اس رات میں آسودگیِ خواب ملے
اور بے جہد کے میں نیند کو لبیک کہوں
مجھ سے درماندہ کو وہ دولتِ نایاب ملے

ہو نہ گر ذوقِ پرستش تری پوجا ہے فضول
گر تپش دل میں نہ ہو عزمِ تمنا ہے فضول

مرے مالک ترے اس لطف و عطا کے صدقے
دی جلا تو نے تھکی آنکھوں کو تاریکی سے
نور آنکھوں کا عطا کر کے نقابِ شب کا
تو نے ظلمت کو بدل ڈالا ضیا باری ہے
آنکھ یوں وقتِ سحر خواب سے بیدار ہوئی
شمع گل ہو کے جلی اور ضیا بار ہوئی

- - - - - - - - - - -

میں نہ بیدار ہوا شومیِ قسمت میری
وہ میرے قلب میں آ آ کے بصد ناز گیا
خواب میرے لیے وہ باعثِ تحقیر ہوا
جس میں وہ آ کے بصد غمزہ و انداز گیا

جاگتے میں مجھے بربط سے نہ مسرور کیا
ہاں میرے خواب کو نغمات سے معمور کیا

حیف بے کیف کٹی ساری ہی راتیں میری
کس لیے نعمتِ دیدار سے محروم ہوں میں
ماسوا شومئ تقدیر اسے کیا کہیے
واژگوں بخت ہوں بگڑا ہوا مقسوم ہوں میں
جلوہ فرما وہ سدا خواب میں ہو جاتا ہے
جاگتا ہوں تو مقدر میرا سو جاتا ہے

- - - - - - - - - -

کس قدر تیرہ ہیں یہ زیست کی راتیں افسوس
شمع اس نورِ مجسم کی کہاں روشن ہے
آتشِ شوق سے اب اس کو فروزاں کر دے
شمع خاموش جو بے نور پسِ چلمن ہے
اے مرے دل تری تقدیر میں کیا لکھا ہے
ایسی بیکار بقا سے تو فنا زیبا ہے

تیرے در پر یہ تکالیف کی دستک پیہم
تجھ کو پیغام ہے مطلوب کی بیداری کا

وہ بلاتا ہے تجھے جس کا تمنائی تھا
وقت آیا ہے شبِ تار میں ہشیاری کا
اٹھ کے تکلیف تو کرتا بمقامِ موعود
جلوہ فرما تجھے بے شک وہ ملے گا موجود

چرخ پر پھیلی ہوئیں اُف یہ گھٹائیں کالی
اور لگاتار زمیں پر یہ برستا ہوا آب
میرے سینے میں خدا جانے محرک کیا ہے
قلب کو میرے جو رکھتی ہے مسلسل بے تاب
جلوہ برق پئے چشم زدن خوب رہا
ہو گیا اور بھی ظلمات کا گہرا پردا

آہ یہ نغمۂ پُر کیف سکوتِ شب کا
جستجو کو مری آواز دیے جاتا ہے
یوں گماں ہوتا ہے اس رات کی موسیقی میں
کوئی دل کو مرے سینے سے لیے جاتا ہے
مضطرب ہے مرے پہلو میں تمنا پیہم
مجھ کو مل جائے کہیں کاش ترا نقشِ قدم

روشنی جلوۂ محبوب کی افسوس کہاں
شعلۂ عشق سے ہاں دل کو منور کر لوں
اف یہ گھنگور گھٹا اور ہوا طوفانی
کیسے اس رات کی محفل کو منور کر لوں

کیوں نہ روشن ہو بھلا دوری ظلمت کے لیے
زیست کی شمع شبستانِ محبت کے لیے

- - - - - - - - - -

حلقۂ دامِ بلا آہ ہے کتنا مضبوط
جس سے ہر عزمِ رہائی پہ یہ دل ہلتا ہے
ہم تمنائی ہیں جس جلوۂ ازادی کے
ہم سے کم ظرف کو وہ جلوہ کہاں ملتا ہے
ہم سے مجبور بھلا سعی طلب کیا کرتے
شرم آتی ہے ہمیں ایسی تمنا کرتے

جانتا ہوں مرے مالک کہ ترے دامن میں
بے بہا میرے لیے دولت بے پایاں ہے
یہ بھی معلوم ہے اک تو ہے بڑا میرا رفیق
ہے خبر یہ بھی کہ تو خالق جسم و جاں ہے

پھر بھی مائل نہیں دل جلوۂ زیبا کی طرف
ملتفت کتنا ہوں میں زینتِ دنیا کی طرف

جس میں ملبوس ہوں میں اُف وہ عناصر لباس
چادر خاک ہے اک وہ بھی فنا آمادہ
پھر بھی یہ باہمہ نفرت ہے گوارا مجھ کو
جیسے مے نوش کو ہو تلخی جام بادہ
قرض ہے مجھ پہ میرے فرض کا اے ربِ کریم
اس پہ ناکامیاں تدبیر کی یہ کچھ ہیں عظیم

وہ تقاضائے ندامت کہ ہے احساسِ حیا
وہ بھی ہے بارِ گراں میرے سوادِ دل کا
بہتری کے لیے جب اپنی دعا کرتا ہوں
سامنا ہوتا ہے اس وقت نئی مشکل کا
ہوں وہ بے مایہ تصور سے لرز جاتا ہوں
جب تجھے اپنی دعاؤں سے قریں پاتا ہوں

آہ وہ روح میری کہیئے جسے اصل حیات
مجھ میں محصور ہے اور نوحہ گری کرتی ہے

جس قدر کرتا ہوں میں زینتِ دنیا کو محیط
اتنی ہی وہ نفسِ سرد و حزیں بھرتی ہے
جتنا بھی ہوتا ہے اونچا میری خواہش کا محل
اتنا ہی خود میں ہوا جاتا ہوں خود سے اوجھل

یہ تکبر مرا آسایش دنیا کے لیے
کر کے تعمیر پئے خانہ فلک بوس حصار
ریت اور خاک کو آرائش ظاہر دے کر
سوچتا ہوں کہ نہ اس گھر پہ ہو تخریب کا بار
جتنا اس کام کی جانب میں جھکا جاتا ہوں
اتنا ہی دور حقیقت سے ہوا جاتا ہوں

- - - - - - - - - - -

میں وہ رہرو ہوں کہ جو گھر سے چلا تھا تنہا
میرے مالک طلبِ منزلِ مقصود لیے
مجھ کو حیرت ہے کہ ہمراہ مرے کون ہے یہ
کون ہے ظلمتِ شب میں یہ مرا ساتھ دیے
اس سے بچنے کو اگر راہ میں چھپ جاتا ہوں
پھر جو چلتا ہوں تو ہمراہ اسے پاتا ہوں

رہروی اس کی ہر اک گام تکبر کی نمود
تند آواز سے وہ میرا ہم آواز بھی ہے
میرے مالک ہے وہ بے شرم میر انفسِ حقیر
باعث ننگ بھی مجھ کو مرا دم ساز بھی ہے

نفس سرکش کو ترے درپہ میں لاؤں کیسے
ایسے بے شرم کے ہمراہ میں آؤں کیسے

- - - - - - - - - - -

تجھ کو محبوس کیا کس نے بتا اے قیدی
پردۂ غیب سے قیدی کو کیا حق نے خطاب
خود عمل میرے ہوئے وجۂ اسیری یارب
سرنگوں ہو کے ندامت سے دیا اس نے جواب
تھا گماں مجھ کو طاقت سے حصولِ زر سے
میں بڑھا سکتا ہوں اپنے کو زمانے بھر سے

میں اسی شوق میں اندوختہ کرتا ہی رہا
مال وہ بھی جو رہِ حق میں ادا کرتا تھا
دفعتاً نیند کے آجانے سے میں سو ہی گیا
حیف یہ بھی نہ رہا یاد کہ کیا کرتا تھا

سو کے میں بسترِ مالک پہ جو بیدار ہوا
یہ کُھلا اپنے خزانے میں گرفتار ہوا

اور زنجیر یہ مضبوط بنائی کس نے
اسی قیدی سے یہ پوچھا تو دیا اُس نے جواب
وہ بشر حیف کہ خود جس نے بنایا اس کو
اے خداوند وہ بیشک ہے یہی خانہ خراب
میں کہ مغرور تھا طاقت کی توانائی پر
مستعد فطرتِ آزادی تھی دارائی پر

تھی تمنا کہ فقط میں ہی وہ آزاد بنوں
کُل جہاں جس کے لیے زیرِ نگیں ہو جائے
محنتِ شاقہ دن رات اٹھائی میں نے
تاشہنشاہِ جہاں خاک نشیں ہو جائے
جو بنی مجھ سے وہ تدبیر بنائی میں نے
آتشِ تند سے زنجیر بنائی میں نے

مشکلیں جھیلی تھیں جس کام کی خاطر میں نے
تھی مسرت مجھے وہ کام سر انجام کیا

آخرش بن گئی زنجیر بہت ہی مضبوط
زعم تھا میری خودی کو کہ بڑا کام کیا
اب کھلی آنکھ تو وابستۂ مشکل خود ہوں
اپنی تقدیر سے پابندِ سلاسل خود ہوں

اس جہاں بھر کے سبھی چاہنے والے میرے
رکھتے ہیں مجھ کو سدا حلقۂ نگرانی میں
بار ہے ان کی محبت میری آزاد پر
ہر نفس پر ہے اضافہ میری حیرانی میں
اُس طرف تیری محبت ہے خداوند جہاں
جو کسی وقت نہ گزری میری فطرت پر گراں

خوف رہتا ہے یہی اہل جہاں کو مجھ سے
کہ کسی وقت بھی ان کو بھلا دوں نہ کہیں
حیف وہ یوں مجھے تنہا نہیں رہنے دیتے
معتبر جیسے میں معیارِ محبت میں نہیں
کتنے دن بیت گئے زیست کے اک اک کر کے
سامنے تو مگر آیا نہ کبھی احقر کے

میں اگر تجھ کو دعاؤں میں بھی آواز نہ دوں
میرے مالک میں اگر دل سے بھلا دوں تجھ کو
میں نہ بھولے سے اگر تجھ کو کبھی یاد کروں
خلوت دل میں بھی گر میں نہ بساؤں تجھ کو
پھر بھی وہ تیرا کرم تیری محبت ہے خدا
منتظر رہتا ہے جو میری محبت کا سدا

- - - - - - - - - - -

عالمِ ہوش میں وہ خانۂ دل میں آئے
اور بولے کہ ہمیں تھوڑی جگہ کافی ہے
پھر کہا مجھ سے عباداتِ خدا میں بے شک
ہم مدد دیں گے تجھے جتنی بھی ہو سکتی ہے
کرم و فضلِ خدا سے ہمیں جو ہو گا حصول
ہم اسی حصہ کو کر لیں گے بصد عجز قبول

قافلے خواہش وارماں کے سمٹ کر خاموش
کہہ کے یہ دل میں مرے گوشہ نشیں ہو ہی گئے
حیف انجام سے غافل میں رضا مند ہوا
اور وہ اس حرمِ حق کے مکیں ہو ہی گئے

دیکھتا کیا ہوں مری تیرگیٔ غفلت سے
دل میں درانہ وہ گھس آئے بڑی طاقت سے

کیا خبر تھی وہی ارماں جو بہت سادہ تھے
حرصِ نازیبا و ناپاک کے یوں ہوں گے غلام
حرمتِ خانۂ دل حیف ہوئی سب برباد
اُف یہ آغازِ تمنا کا بھیانک انجام
رفتہ رفتہ مری فطرت کا سکوں لوٹ لیا
دل کی معصوم تمناؤں کو یوں لوٹ لیا

- - - - - - - - - - -

اے خدا اس ترے بندے کی تمنا ہے یہی
کہ مرے حال پہ اب ایسا ترحم ہو جائے
تو ہر اک شے میں ہو میرے لیے فردوسِ نظر
ماسوا تیرے جو دیکھے وہ نگہ گم ہو جائے
سامنے میری تمنا کے خدائی ہو تری
مجھ کو محسوس فقط جلوہ نمائی ہو تری

عبد ناچیز کو یارب وہ بصرت ہو عطا
کہ ہر اک شے میں ترا جلوۂ زیبا دیکھوں

مرکزِ شوق فقط تو ہو ہر اک سمت مرا
میں ترا نوربہ اخلاص و تمنا دیکھوں

مجھ میں باقی رہے بس اتنا خودی کا احساس
سامنے میرے تو بے پردہ رہے میرے پاس

جس سے یارب میں رہوں تیری رضا کا پابند
میں فقط اتنا ہی وابستۂ زنجیر رہوں
مجھ سے پورا ہو یہاں مقصدِ تخلیق مرا
میں بہر حال یہاں شاکرِ تقدیر رہوں
جس کا ہر حلقہ ہو روشن تری تنویر کے ساتھ
پابہ جولاں رہوں اس عشق کی زنجیر کے ساتھ

- - - - - - - - - - -

میرے اللہ جہاں دل کو کوئی خوف نہیں
جس جگہ فخرو مباہات پہ سر اونچا ہے
آگہی اور جہاں علم ہیں دونوں آزاد
جس جگہ فطرتِ انساں فلک پیما ہے
وہ جہاں دے کہ جہاں باہمی آزاروں سے
جو نہ بٹ سکتا ہو خود ساختہ دیواروں سے

آگہی کا ہو جہاں چشمۂ شفاف رواں
اور بوسیدہ جہاں رسم نہ ہوں راہوں میں
جس جگہ مل نہ سکے کوئی بھی فرسودہ رواج
عقل و ادراک کی پاکیزہ گذر گاہوں میں

جس جگہ عقل کے جوہر ہمیں بیتاب ملیں
ریگ زارانِ جہالت جہاں شاداب ملیں

میرے مالک ہے دعا میری یہی تیرے حضور
کہ مرے دیش کو وہ جنتِ آزادی دے
عطر آگیں ہو ہوا جس کی فضا روحانی
ہر طرح فطرتِ انساں کو جو نوشادی دے
جس جگہ مل کے رہیں ساتھ ہی عقل و ایماں
ملک یارب ہو مرا خواب سے بیدار وہاں

میرے اللہ یہی تجھ سے دعا ہے میری
دور کر دے مرے سینے سے غریبی دل کی
میرے مالک مرے دل کو وہ توانائی دے
جس میں برداشت ہو ہر راحت و ہر مشکل کی

میری پاکیزہ محبت کو یہ احساس رہے
خدمتِ خلق کا ہر وقت مجھے پاس رہے

اے خداوندِ جہاں مجھ کو وہ توفیق ملے
جس سے ہر بے کس و نادار کا ہمدرد رہوں
ہاں جو ہو سامنا مغرور توانائی کا
میرے مالک میں کسی حال میں بھی جھک نہ سکوں
قلب کو روز کے ہنگاموں سے بالا کر دے
خوئے تسلیم و رضا سے مرے دل کو بھر دے

- - - - - - - - - -

جب مری تاب و تواں تاحد آخر پہونچی
میں یہ سمجھا کہ سفر میرا بس اب ختم ہوا
سامنے راہ بھی مسدود سی محسوس ہوئی
توشۂ راہ بھی دامن میں مرے کچھ نہ رہا
وقت آیا ہے یہ سمجھا کہ سکوتِ خلوت
بخش دے گی مجھے اب خیر سے کامل راحت

منکشف مجھ پہ مگر اب یہ ہوا ہے یارب
انتہا میری رضا کو تری منظور نہیں

کہنہ الفاظ جو ہوتے ہیں اثر سے محروم
دیکھتا ہوں نئے نغمات وہاں دور نہیں
راہ جب ہوتی ہے گم سعی سفر کے آگے
ملک آتے ہیں نئے میری نظر کے آگے

- - - - - - - - - -

اے خدا مجھ کو یہ توفیق بہر حال ملے
کہ مرا دل تجھے دیتا رہے پیہم آواز
کُل تمنائیں وہ دن رات ہوں جن سے عاجز
کتنی بے وجہ ہیں باطل ہے ہر اک کی پرواز
جیسے شب تیرگی شب کے حجابات میں بھی
اے خدا نور کی سائل ہے مناجات میں بھی

بے خودی میری اک آواز دیے جاتی ہے
اُف وہ آواز جو بے صوت و صدا پیدا ہے
سن کے کہتا ہوں میں یہ نغمہ آہنگِ الست
میں ترا ہوں مرا دل تیرا فقط شیدا ہے
جیسے طوفان بلا خیز سکوں کا دشمن
ڈھونڈتا رہتا ہے خود امن و سکوں کا دامن

میرے اللہ یونہی یہ مری باغی فطرت
جو بظاہر تری الفت سے گریزاں ہے بہت
پھر بھی یہ تیری محبت کے لیے جویا ہے
واقعی تیری طلب میں پریشاں ہے بہت
ڈھونڈتا رہتا ہے فطرت کا ہر انداز تجھے
قلب خاموش دیے جاتا ہے آواز تجھے

سخت اور خشک جو ہو جائے یہ دل کی وادی
اے خدا بارش رحمت کی سزادار ہے یہ
تلخ ہو جائے میری زیست کی جب شیرینی
اے خدا نغمۂ شیریں کی طلب گار ہے یہ
شورشِ کارِ جہاں جب مجھے کر لے محصور
میرے مالک تری رحمت نہ رکھے مجھ کو دور

جب میں بے چارہ و بے یار ہوں تنہائی میں
جب مرے دل سے مرے دل کا سکوں چھن جائے
اس گھڑی امن کا راحت کا سکوں کا پیغام
میرے مالک تری رحمت مری خاطر لائے

تھک کے جب گوشہ نشیں ہو دل سائل میرا
باہمہ شان شہی، جلوہ ہو ظاہر تیرا

جاگزیں دل میں ہوں جب آرزو میں نازیبا
اے خداوند جہاں خام خیالات لیے
میرا آئینہ دل ہو نہ غبار آلودہ
تیری رحمت سے ہو مالک یہ کمالات لیے
میرے سینے میں تری روشنی نور رہے
دل مرا لطف و کرم سے ترے معمور رہے

اے خداوند جہاں تیرے کرم کے صدقے
کب سے ہے تشنۂ بارانِ عطا دل میرا
ابر کی ہلکی سی چادر افق دل پہ نہیں
خشک سالی کا بھیانک ہے فلک پر ڈیرا
کیف زا۔ روح فزا۔ اور جو خنک ہو بیشک
ایسی بارش نظر آتی نہیں اب دور تلک

میرے مالک تری مرضی ہو تو طوفان درشت
بھیج کر تیرگئی دہر کو برہم کر دے

یوں فضاؤں کے ہر اک گوشہ میں چمکے بجلی
آسمانوں میں جو تا دور اجالا بھر دے

ساکت و تیزوگراں آتشِ خاموش کا جور
تابہ کے دل پر رہے گا میرے مالک اب اور

جیسے اولاد کو اک باپ کی ناراضی پر
مہرباں ماں کوئی بادیدۂ پرنم دیکھے
میری جانب یونہی مالک مرے بالطف و کرم
تیری رحمت کی گھٹا تیرے کرم سے اٹھے
میرے اللہ مرے دل پہ نوازش کر دے
قلب کے گلشن پژمردہ پہ بارش کر دے

- - - - - - - - - -

اے خداوند جہاں اے مرے پیارے محبوب
ذات پوشیدہ تری سایۂ کے پیچھے ہے کہاں
اہلِ دنیائے دنی طالب عرفاں ہی نہیں
چھوڑ کر تجھ کو سرِ راہ گئے اہل جہاں
منتظر تیری ہوں سامان عبادت کو لیے
کتنے رہگیر تھے جو لے کے مرے پھول گئے

حیف ہونے کو ہے اب یہ سبدِ گل خالی
دوپہر بیتا، سحر گذری۔ بس اب شام ہوئی
منتظر آنکھیں ہوئیں نیند سے میری بوجھل
ہدفِ چشمِ ہوس آہ یہ ناکام ہوئی

جانیوالوں کے تبسم سے ہیں چہرے روشن
اُس طرف شرم سے جھک جاتی ہے میری گردن

منہ چھپائے ہوئے بیٹھی ہوں بھکارن کی طرح
راہرو پوچھتے ہیں مجھ سے کہ کیا خواہش ہے
ان کی پرسش سے ہوں میں سر کو جھکا کر خاموش
ان سے کیا کہہ دوں کہ جو دل میں مرے کاوش ہے
کیا خبر ان کو مرا منتظرِ دید ہے تو
ایک وارفتہ و بے کس کو مہ عید ہے تو

جلوہ فرمائی کا وعدہ جو ترا تھا مجھ سے
اب ندامت کے سبب کس سے میں اظہار کروں
اپنے سینے میں چھپائے ہوئے یہ نذر تری
تابہ کے اپنی غریبی کو بھلا پیار کروں

ملتفت چرخ کی جانب ہے نگاہِ امید
بارور دیکھیے کب تک ہو تمنائے دید
عظمت و شان سے اب دیکھیے تو کب آئے
کب ترے نور سے دنیا کی فضا روشن ہو
کب میں دیکھوں گی ترے رتھ کا سنہرا پرچم
میرے داتا ترا سب لوگوں کو کب درشن ہو
میری جانب ترے جلوے جو درخشاں ہوں گے
سب کے سب دیکھ کر انگشت بدنداں ہوں گے

اس تصور میں ہوں گم دیکھنے والے سب لوگ
جب میرے حال پہ دیکھیں گے نوازش تری
تو جب آ جائے گا بے کس کا سہارا بن کر
جب ترے رتھ میں ترے پاس جگہ ہو میری
ہوں گی میں لرزہ براندم خوشی کی ماری
جیسے چلنے سے صبا، بیل کی شاخیں ساری

اُس طرف وقت گریزاں ہے اُدھر اے مالک
اب تک آئی نہیں مجھ تک ترے رتھ کی آواز

کتنے جاتے ہوئے دیکھے ہیں بصد شان جلوس
ہاں مگر وا نہ ہوا تیرا درِ خلوت ناز

سب کے پیچھے ہے حجابات میں گم تو ہی آہ
منتظر تیری میں کب تک رہوں باحالِ تباہ

میرے مالک مرے بھگوان یہ آغازِ سحر
بات بے صوت و صداہم میں یہ طے پائی تھی
تو بھی اور میں بھی سفینے میں چلیں ہمراہ
اس جگہ جس کی کسی کو نہ شناسائی تھی
اس سفر کا کوئی انجام نہ منزل ہو گی
اور یہ سعیِ سفر زیست کا حاصل ہو گی

گیت اس وقت مرے قلزم بے پایاں میں
وقف ہو جائیں گے اس تیرے تبسم کے لیے
جس تبسم کی مری سمت توجہ ہو گی
اور ہوں گے مرے نغمات فقط تیرے لیے
راگ وہ جس پہ نہ الفاظ کی بندش ہو گی
ایسے نغموں کی مرے ساز سے بارش ہو گی

میرے مالک ابھی کیا وقت نہیں آیا ہے
کیا تجھے اور بھی کچھ کام ابھی باقی ہے
ہیں نشیمن کی طرف مائل پرواز طیور
خیمہ زن چار طرف شام کی تاریکی ہے

ہو کے ساحل سے الگ کشتی نہ یہ کھو جائے
اور کسی سمت یہ تاریکی شب گم ہو جائے

- - - - - - - - - -

وہ بھی دن زیست میں گذرا ہے مری اے مالک
وائے غفلت مجھے جب تجھ سے سروکار نہ تھا
دیدنی پھر یہ نوازش تھی شہنشاہ تری
دل نشیں ہونے سے میرے تجھے کچھ عار نہ تھا
ہر نفس زیست کا تھا مجھ کو فنا کا پیغام
ثبت کرتا مرے مالک جو نہ تو مُہرِ دوام

دل کی اُس مُہر پہ جب آج نظر پڑتی ہے
اور میں دیکھتا ہوں تیرے کرم کی تحریر
راحت و رنج کے ملتے ہیں فسانے جن میں
ساعتیں آہ وہ ایامِ گذشتہ کی حقیر

ہر نفس عمرِ گذشتہ کا غبار آلودہ
آج بھی میرے لیے کتنا ہے ناآسودہ
ایشور دیکھ کے طفلانہ مرے لہو و لعب
بالیقیں مجھ سے کبھی تجھ کو تنفر نہ ہوا
کھیل کے چھوٹے سے میدان کی پہنائی میں
جو کبھی میں نے سنی تھی ترے قدموں کی صدا
وہ صدا اب بھی تو مصروف تگ و تاز میں ہے
آج بھی پردۂ افلاک پہ پرواز میں ہے

منتظر ہو کے سرِ راہ ترا اے محبوب
دیکھتے رہنا تری راہ کا بھاتا ہے بہت
ہو جاں نور کے در پردہ گریزاں سایہ
یاد تیری مرے محبوب دلاتا ہے بہت
گرمیوں بعد جہاں ہوتا ہے برسات کا وقت
یاد آتا ہے مجھے تیری ملاقات کا وقت

دے کے قاصد مجھے پیغام مبارک بادی
واپس انجانے جہانوں کو پلٹ جاتے ہیں

کیف زا شیریں و سرمست ہوا کے جھونکے
دل کی خاطر مرے پیغام سکوں لاتے ہیں

منتظر اپنی ہی چوکھٹ پہ سحر سے تا شام
بیٹھا رہتا ہوں خداوند جہاں میں ناکام

اس تصور میں کہ نا گاہ و ساعت آئے
چشمِ دیدار طلب جب ترا جلوہ دیکھیں
ہو کے خوش نغمہ سرا رہتے ہیں اس اثناء میں
اس توقع پہ کہ تیرا رخ زیبا دیکھیں
یوں امیدوں سے ہے خوش رنگ ہوا کا دامن
سامنے فصلِ بہاراں میں ہو جیسے گلشن

- - - - - - - - - - -

ہر نفس آتی ہوئی پاؤں کی مدھم آواز
اس کی آمد کا پتہ دیتی ہے تجھ کو نادان
اس کی قربت کی خبر دیتی ہے دل کی آواز
آتا رہتا ہے وہ ہر ایک گھڑی ہر اک آن
نو بہ نو نغموں کے اندازِ خوش آہنگی میں
اُس کا ملتا ہے پتہ گیتوں کی یک رنگی میں

کیف زا نغمے یہ کہتے ہیں کہ وہ آتا ہے
موسم گل میں جو چلتی ہے صبا عطر آگیں
پھول خود رو جو مہکتے ہیں خبر دیتے ہیں
رہگذر اُس کی عیاں ہے کوئی پوشیدہ نہیں

آسماں پر یہ گرجتے ہوئے کالے بادل
اس کے آثار کے رتھ کو ہیں سنبھالے بادل

عالمِ یاس میں وہ وقت بھی اک آتا ہے
اس کی آمد سے مرے دل کو سکوں ملتا ہے
اس توقع پہ کہ مالک مرا آئے گا ضرور
عیشِ جاوید مرے قلب کو یوں ملتا ہے
جیسے پا کر کوئی محبوب کو راحت پائے
یا کسی کے دلِ مضطر کو قرار آجائے

تیرے آثار خداوند نہ جانے کب سے
ہر نفس پر مرے نزدیک چلے آتے ہیں
یہ ترا نیّرِ اعظم یہ ستارے اے دوست
میری آنکھوں پہ کہیں پردہ گرا جاتے ہیں

تیرے آثار نمایاں سحر و شام ملے
تیرے قاصد کی طرف سے مجھے پیغام ملے
مضطرب روح مری آج نہ جانے کیوں ہے
اور مرے قلب میں یہ آج خوشی کیسی ہے
ختم ہونے کو ہے شاید کہ مرے کام کا وقت
اور کشتی مری ساحل کے قریب آئی ہے
میرے مالک یہ پتہ چلتا ہے تو دور نہیں
تیری خوشبو سے ہے اب موجِ ہوا عطر آگئیں

- - - - - - - - - -

منتظر اُس کا رہوں اور بھلا میں کب تک
جاگتے جاگتے اب رات نہ یہ ڈھل جائے
ڈر یہی ہے کہ نہ سو جاؤں کہیں میں تھک کر
اور مرے سوتے ہی فوراً نہ کہیں وہ آئے
دوستو اس کے لیے در کو کھلا رہنے دو
مجھ تمنائی کی آغوش کو وا رہنے دو

میں جو بیدار نہ ہوں سن کے بھی آوازِ خرام
ملتجی ہوں کہ مجھے کوئی نہ ہشیار کرے

لطف جب ہے کہ سحر اور نہ آواز طیور
نیند سے مجھ کو مری کوئی نہ بیدار کرے

میرا مالک مرے دروازے پہ گر آجائے
دوستو سن لو کہ پھر بھی نہ پکارا جائے

آہ نیند مری آہ مری پیاری نیند
جانتا ہوں کہ تو اس وقت ہی غائب ہو گی
میرے محبوب خداوند کا جب لمسِ لطیف
اس مرے جسم کو بخشے گا سکوں کی گرمی
خواب سے بند یہ آنکھیں مری کھل جائیں گی
جب اُسے خواب میں خود جلوہ نما پائیں گی

ہر تجلی سے ہر اک شکل سے پہلے اے کاش
میرے مالک میں ترا جلوہ زیبا دیکھوں
تیرے دیدار سے ہو روح کو میری تسکین
اپنی آنکھوں سے میں تکمیل تمنا دیکھوں
خود شناسی مرے مالک کی شناسائی ہو
قطرہ میں جلوہ نما بحر کی گہرائی ہو

قلزمِ صبح کی خاموشی بے پایاں نے
چڑیوں کی نغمہ سرائی سے روانی پائی
اور راہوں کے برابر میں کھلے تھے کچھ پھول
کرنیں سورج کی سنہری تھیں گھٹا پرچھائی

ملتفت کتنے تھے ہم اپنے مشاغل کی طرف
اک نظر بھر کے نہ دیکھا تیری محفل کی طرف

کھیل کھیلا، نہ خوشی کا کوئی نغمہ گایا
نہ کسی گاؤں کے بازار میں کچھ کام کیا
راستے بھر نہ ہنسے ہم نہ کسی سے بولے
نہ گھڑی بھر کے لیے راہ میں آرام کیا
وقت کے ساتھ ہی بڑھتی رہی رفتار اپنی
یہ حقیقت ہے کہ ہر راہ تھی دشوار اپنی

دوپہر ٹھیک ہوئی جب تو ہوا گرم چلی
سائے میں چھپ کے لگی فاختہ کرنے کو، کو
پتیاں خشک ہوئیں گرم ہوا میں رقصاں
اور میں لیٹ گیا تھک کے زمیں پر لب جو

نیچے برگد کے گڈریے کا اُدھر اک لڑکا
کام سے اپنے تھکا نیند کا ماتا سویا

ہم سفر دیکھ کے مجھ کو بہ نگاہِ نخوت
مسکراتے ہوئے تضحیک سے آگے گزرے
جانے والوں نے مری سمت نہ دیکھا مڑ کر
یوں بڑھے آگے نہ ستانے کو دم بھر ٹھہرے
دور ہوتے گئے اور نیلے دھندلکوں سے پرے
سبزہ زاروں پہ چلے اور پہاڑوں کے پرے

راہ میں ان کی کئی ملک بڑے بھی آئے
راس آئی انھیں ہر سعی سفر دوری کی
آفریں تم پہ مرے حال پہ ہنسنے والو
تم نے تدبیر اٹھانے کے لیے پوری کی
محو میں عجز سے اک راحتِ موہوم میں تھا
کیا کہوں بن کے بگڑنا مرے مقسوم میں تھا

آخرش مہر کی سر سبز، سنہری کرنیں
سائے کے ساتھ مرے دل پہ اثر کرنے لگیں

میرے آگے نہ رہا اپنے سفر کا مقصد
فطرتیں رنگ مناظر میں نیا بھرنے لگیں
آخرش سایۂ دل کش میں مدھر گیتوں میں
ہوش گم کر دیے میں نے انھیں سنگیتوں میں

اے زہے بخت کہ جب خواب سے بیدار ہوا
اپنے پہلو میں ترا جلوہ زیبا دیکھا
تھا مری نیند پہ سیلاب تبسم تیرا
میری مایوس تمناؤں نے کیا کیا دیکھا
تھا مجھے خوف کہ یہ راہِ محبت ہے دراز
تو مجھے دیکھ کے ناکام ہوا جلوہ طراز

اے خداوندِ جہاں دونوں جہاں کے مالک
دیدنی مجھ پہ ہے یہ بندہ نوازی تیری
جلوہ فرما جو ہوا مجھ سے گدا کے در پر
تو کہاں اور کہاں نا چیز یہ کٹیا میری
میں جہاں گوشہ نشین نغمہ سرا تھا تنہا
تو چلا آیا یہاں سنتے ہی پُر درد صدا

گانے والے یہاں فنکار ہیں ماہر کتنے
اور ہر وقت بھجن تیرے لیے گاتے ہیں
مبتدی مجھ سا بھلا گیت کوئی کیا جانے
آپ پھر بھی میرے مالک میرے گھر آتے ہیں

کوئی نغمہ تو نہ تھی درد میں ڈوبی آواز
ہاں مجھے تیری توجہ سے ملا یہ اعزاز

- - - - - - - - - - - - -

گھر سے نکلا جو میں دریوزہ گری کی خاطر
میں نے دیکھا مرے مالک ترا شاہانہ جلوس
محو حیرت ہوا میں دیکھ کے شوکت تیری
تیرا دیدار کہاں اور کہاں اک مایوس
بارآور نظر آئیں جو امیدیں دل کی
لے کے انگڑائی اٹھیں آرزوئیں سائل کی

رک گیا راہ میں مالک میں اس امید کے ساتھ
ختم ہو جائیں گے دن آج برے غربت کے
تھا یقین دل کو کہ بن مانگے ملیں گے موتی
پاس تو آیا تو قربان تری شوکت کے

یہ گماں مجھکو ہوا، جاگے گی قسمت میری
جانے کیا کچھ نہ عطا کر دے عنایت تیری
دفعتاً میری طرف ہاتھ بڑھایا تو نے
اور کہا مجھ سے مرے دینے کو کیا لایا ہے
اولاً میں یہی سمجھا کہ ہے شاہانہ مذاق
کیا تجھے دے جو بھلا آپ ہی بے مایا ہے
اس تحیر میں نہ کچھ سمجھا نہ جانا تجھ کو
میں نے جھولی سے دیا چھوٹا سا دانہ تجھ کو

شام کے وقت جو گھر جھولی کو پلٹا میں نے
میرے کل اناج میں تھا اک سنہرا دانہ
محو حیرت بھی ہوا اور ہوا غمگین بھی
کس قدر چھوٹا تھا افسوس مرا پیمانہ
یہ ندامت تھی کہ سب کچھ نہ دیا کیوں ہیہات
کب نظر آئی مجھے تیری کرم کی بہتات

رات تاریک ہوئی کام ہوئے دن کے تمام
تھا گماں ہم کو مہمان سبھی آ ہی گئے

بند جب گاؤں کے دروازے ہوئے کچھ نے کہا
جاگو جاگو کہ شہنشاہ ہیں آنے والے

ہم ہنسے اور کہا ہم نے کہ یہ ناممکن
بیتنے تھے جو یونہی بیت گئے زیست کے دن

در پہ دستک سی ہوئی رات کی تاریکی میں
ہم یہ بولے کہ ہوا ہو گی یہ کچھ اور نہیں
کر کے گل گھر کے دیے ہو گئے بستر پہ دراز
بعض نے پھر بھی کہا ہو بھی یہ قاصد نہ کہیں
خندہ زن ہو کے کہا ہم نے ہوا ہی ہو گی
اپنی تقدیر میں تھی حیف یہ ہی بد بختی

ایک آواز سنی رات کے سناٹے میں
عالم خواب میں افسوس کیا ہم نے خیال
ہے بہت دور یہ بادل کے گرجنے کی صدا
پھر زمیں اور درودیوار کو آیا بھونچال
نیند جب اڑ گئی اس وقت کسی نے یہ کہا
کہ یہ آواز بہت صاف ہے پہیوں کی صدا

وائے ہم بولے یہی خواب کی سرمستی میں
بالیقیں ہے یہ گھٹاؤں کے گرجنے کی صدا
اور ادھر رات کی تاریکی بھیانک تھی رہی
کہ ادھر زور سے دروازے پہ نقارہ بجا
دی منادی نے ندا ہم کو یہ ہشیار رہو
سامنے شاہ کا پرچم ہے خبر دار رہو

- - - - - - - - - -

ہم کھڑے ہو کے پکارے نہیں اچھی تاخیر
دفعتاً آ ہی گئے لو وہ شہنشاہِ زماں
روشنی پاس ہمارے نہ کہیں ہار کوئی
رونق افروز کہاں ہو گا وہ ہے تخت کہاں
کوئی آراستہ کمرہ ہے نہ زیبائش ہے
اس کے لائق نہ کہیں گاوں میں آرائش ہے

اک ندا آئی کہ یہ شور ہے بالکل بے سود
خیر مقدم کرو اب اُس کا تہی دستی سے
بے سجائے ہوئے کمرے میں بٹھاؤ اس کو
اب یہ تاخیر بری ہے لو اٹھو جلدی سے

اپنے دروازوں کو وا کر کے بجاؤ ناقوس
یوں نہ اجڑے ہوئے غمخانوں میں بیٹھو مایوس

ہم غریبوں کا شہنشاہ ہوا جلوہ فگن
چرخ پر آہ گرجتا ہوا یہ ابرِ گراں
گھر کے آنگن ہی میں بوسیدہ چٹائی ڈالو
تابشِ برق سے ہے کتنا اندھیرا رقصاں
یک بہ یک آ ہی گیا سامنے طوفان کے ساتھ
ظلمت شب کا شہنشاہ بڑی آن کے ساتھ

- - - - - - - - - -

میں نے سوچا تھا کہ وہ تیرے گلے کا اک ہار
مانگ لوں تجھ سے کہ جس ہار میں گوندھے ہیں گلاب
عشق کو بارگہ حسن میں جرات نہ ہوئی
باہمہ شوق بھی میں کر نہ سکی تجھ سے خطاب
جاگ کر رات اس امید پہ کاٹی میں نے
برگِ گل کوئی تو پا جاؤں ترے بستر سے

میں اٹھالوں گی وہ سب پھول جو رہ جائیں
اسی مقصد کے لیے اپنے بھکاری میں بنی

جستجو تا بہ سحر کی، مری تقدیر، مگر
ایک دو پھول کی پتی تھی وہاں پر باقی

ہیں! یہ کیا دیکھ رہی ہوں کہ ترے بستر پر
نہ تو مالا مجھے آئی نہ کوئی پھول نظر

بدلے میں آب معطر کے کسی شیشے کے
ہے یہاں تیری نشانی تری شمشیر گراں
مثل شعلے کے چمکتے ہوئے جو ہر جس کے
صبح کی پہلی کرن جس پہ ہوئی تھی رقصاں
پوچھتی مجھ سے ہیں یہ صبح کی گاتی چڑیاں
کیا دیا ہے ترے مالک نے تجھے اپنا نشاں

نہ تو مالا ہے نہ ہی گل نہ کوئی شیشہ ہے
میرے مالک ہے مرے پاس یہ تیری تلوار
میں بہ حیرت مرے مالک ہوں اسی سوچ میں گم
تیرے اس تحفہ کو ہے مجھ کو چھپانا دشوار
میں اسے سینے پر رکھتی ہوئی شرماتی ہوں
ناتواں خود کو خداوند میں جب پاتی ہوں

پھر بھی مالک ترے اس بار اذیت دہ کو
دل نشیں سینے میں رکھوں گی میں توقیر کے ساتھ

میرے مالک یہ بہر حال عطیہ ہے ترا
مجھ تک آیا ہے جو خوش بختی تقدیر کے ساتھ
اب جہاں بھر میں کسی سے بھی نہیں ڈر مجھ کو
ہو گا ہر کوہ گراں ذرہ سے کم تر مجھ کو

کامیابی تیری ہر میرے عمل میں ہو گی
موت کو میرے لیے تو نے بنایا ہے رفیق
دوں گی عزت میں اسے زیست سے بہتر ہے شفیق
موت جب مجھ پہ مری زیست کے نذرانے سے
کاٹ ڈالوں گی سلاسل تری تلوار سے میں
خوف کھاؤں گی نہ ہرگز کسی آزارے میں

زینتیں سامنے جتنی ہیں یہ نا چیز و حقیر
آج ان سب سے ہمیشہ کو جدا ہوتی ہوں
کنج تنہائی میں اب بیٹھ کے رونا کیسا
اب سے میں شرم و نزاکت سے خفا ہوتی ہوں

تیری تلوار فقط اب مری زینت ہو گی
مجھ کو بیہودہ تکلف سے نہ رغبت ہو گی

- - - - - - - - - -

خوبصورت ہے ترے ہاتھ کا کنگن کتنا
میرے مالک یہ ستاروں سے بھی آراستہ ہے
گو ہمہ رنگ جواہر ہیں مرصع اس میں
نت نئے رنگ سے بے شبہ یہ پیراستہ ہے
دل کشی میں تری تلوار ہے بہتر پھر بھی
دیکھنے میں ترے کنگن سے ہے بڑھ کر پھر بھی

وشنو بھگوان کی چڑیا کے پروں کے مانند
یہ بھی ہر شام کی سرخی میں کھنچی رہتی ہے
موت کے آخری حملہ کی تکالیف میں بھی
زیست کے آخری سانسوں میں ملی رہتی ہے
روح پاکیزہ کی صورت یہ ضیا تاب ہوئی
اور غارت گر احساسِ گل و آب ہوئی

خوبصورت ہے ترے ہاتھ کا کنگن بے شک
جس میں آراستہ تاروں کی ضیا باری ہے

خالقِ برقِ ضیا بار خداوند جہاں
خوبصورت تری تلوار بہت پیاری ہے
آنکھ سے دیکھتے ہیں اور بعنوان خیال
گو بظاہر تری شمشیر ہے تصویرِ جلال

میں نے مالک مرے تجھ سے نہ کیا کچھ بھی طلب
اور بتایا نہ کبھی نام تلک بھی اپنا
وقت رخصت بھی ترے آہ میں خاموش رہی
پیڑ کے سائے میں وارفتہ کنوئیں پر تنہا
عورتیں پانی لیے گاؤں کی جانب پلٹیں
دوپہر ہوتی ہے آ جاؤ یہ مجھ سے بولیں

میں مگر آہ ادھر مقصد بے نام گم
دوپہر میں بھی روانہ ہوئی گھر کی طرف
تو جب آیا ترے قدموں کی صدا تک نہ سنی
آنکھیں افسردہ تھیں تیری جو اٹھیں میری طرف
اُف وہ وقتِ طلبِ آب تھکی سی آواز
دفعتاً چونک پڑی سن کے میں تیری آواز

تشنہ لب ایک مسافر ہوں کہا جب تو نے
اپنے برتن سے تجھے میں نے پلایا پانی
پتیاں سر پہ مسرت سے مرے رقصاں تھیں
اور کوئیل کی کہیں دور تھی خوش الحانی
اس طرف کان میں کوئل کی یہ کوکو آئی
اس طرف راہ سے بھی پھولوں کی خوشبو آئی

تونے پوچھا جو مرا نام میں خاموش رہی
اس ندامت سے کہ تھا کون سا یہ کام بڑا
ہاں مگر دل کو مرے بخشے گا تسکین سی ضرور
ہے یہی یاد بہت کچھ مری خدمت کا صلہ
گیت چڑیوں کے ہوئے آہ فسردہ کب سے
اور میں سوچ میں گم بیٹھی ہوں بے مطلب کے

حیف افسردگی دل یہ تمہاری اب تک
اور آنکھوں پہ ہے یہ نیند کا غلبہ اب بھی
فطرتاً تم نے یہ آواز سنی ہے کہ نہیں
گل ہے کانٹوں میں بصد شوکت شاہنشاہی

خواب سے جاگ اٹھو عزم کو بیدار کرو
وقت کھونا برا خود کو خبر دار کرو

ختم ہے جادۂ دشوار جہاں پتھریلا
اُس جگہ ملک جو ہے ایک اچھوتا سنسان
میرا محبوب مرا دوست وہیں تنہا ہے
دیکھ لینا اسے مایوس نہ کرنا اِس آن

جاگ جاؤ بھی بس اب خواب سے بیدار بھی ہو
اپنی اس غفلت بے وقت سے ہوشیار بھی ہو

دوپہر چڑھتی ہوئی اور یہ گرمی کا شباب
کیا ہوا چرخ تپش سے جو بہت لرزاں ہے
دور تک ریت کی تپتی ہوئی پیاسی چادر
کیا ہوا سامنے آنکھوں کے اگر رقصاں ہے
سچ کہو دل میں مسرت کا کوئی رنگ نہیں؟
سازِ غم راہ میں ہر گام خوش آہنگ نہیں؟

- - - - - - - - - - -

اے خداوند جہاں فاطر الا فلاکِ عظیم
میں نہ ہوتا تو تجھے کس سے محبت ہوتی
عالم قدس سے تو کس لیے باہر آتا
میری قربت سے جو تجھ کو نہ مسرت ہوتی
کیا نہ دنیا میں دیا تو نے خدایا مجھ کو
ساری دولت میں شریک اپنا بنایا مجھ کو

زیست میں میری تنوع ہے تری خواہش سے
اے خدا تیری خوشی تیری مشیت کے نثار
دلفریبی کے لیے میری شہنشاہ زماں
کتنے کچھ پیش نظر ہیں ترے دلکش آثار
ذات میں میری ہے گم تیری محبت کا کرم
ایک ہو جاتے ہیں یوں طالب و مطلوب بہم

- - - - - - - - - - - -

اے مری روشنیٔ چشم و ضیا بارئ نور
شش جہت میں ترے جلووں کی فراوانی ہے
جن کی چشم بھی ہے اور سکون دل بھی
اہل عالم کے لیے وجہ تن آسانی ہے

میری محبوب یہ ہی نور ہے رقصاں دل پر
اس کا پَرتو ہے ہر اک خلوت و ہر محفل پر

نور جب چرخ پہ بڑھتا ہے بعنوان سحر
اور جب باد صبا تیز ذار چلتی ہے
جگمگا اٹھتا ہے خوشیوں سے یہ سارا عالم
رخ دنیا پہ سحرِ غازہ نیا ملتی ہے
مسکرا دیتے ہیں سب پست و بلند گیتی
نور ہو جاتا ہے پابند کمندِ گیتی

بادبانوں کی طرح قلزم نورانی پر
پتلیاں محوِ تگ و تاز نظر آتی ہیں
عالمِ نور میں خوش رنگ پر دن کو کھولے
باہمہ حسن و بصد ناز نظر آتی ہیں
نور کی لہروں سے معمور ہے سارا جنگل
یا سمیں زینتِ صحرا ہے سرِ آب کنول

میرے محبوب یہی نور ضیا پاش ہوا
ابر پاروں پہ دمکتا ہوا سونا بن کر

اپنی کرنوں میں یہی نور مسرت کو لیے
پتے پتے سے گہر بار ہوا چھن چھن کر
یوں مسرت کا عمل غرب سے تا شرق ہوا
ساحل بحر فلک نور میں سب غرق ہوا

- - - - - - - - -

میری آواز میں شامل ہوں خوشی کے سب گیت
اور میں زیست کا اک نغمہ آخر گاؤں
ازلی جس کا تقاضہ ابدی جس کا اثر
دل میں اپنے وہ سکوں بخش مسرت پاؤں

وہ مسرت کہ نمو جس میں زمیں نے پائی
جسمِ خاکی کے لیے سبزہ کی چادر لائی

جس کے دامن میں فنا اور بقا ہے وہ خوشی
جس سے توام ہیں زمانے میں حیات و ممات
جوں سکوں بخش بھی ہے اور ہے طوفانی بھی
زندگی لرزہ براندام ہے جس سے دن رات
ہر نفس ہم کو جو پیغام نیا دیتی ہے
چھیڑ کر تار رگِ جاں کو جگا دیتی ہے

وہ خوشی جس سے ہر اک غم بہ اُمید فردا
ضبط کے ساتھ ہر انسان اٹھا لیتا ہے
جس کی برکت سے بصد حال پریشاں بھی بشر
اپنے ہر اشک کو آنکھوں میں چھپا لیتا ہے
اس مسرت مرے دامن دل کو بھر دے
اے خدا جو مجھے بیگانۂ دنیا کر دے

- - - - - - - - - -

میرے پیارے مرے محبوب خداوند جہاں
سچ یہ ہے تیری محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ نسیمِ سحری ابر یہ آہستہ خرام
یہ سبھی تیری عنایت کے سوا کچھ بھی نہیں
دیدنی سب یہ مناظر یہ سکوں بخش ہوا
کچھ نہیں تیرے کرم تیری عنایت کے سوا

میرے محبوب کرم تیرا عنایت تیری
میری آنکھوں کو کیا نور سحر سے معمور
تیرے آثار یہ سب مجھ کو پیای تیرے
ہے ہر اک چیز سے روشن ترے جلوؤں کا ظہور

ہو گئیں جنتِ نظارہ کرم پر آنکھیں
سجدہ کرتی ہیں ترے نقشِ قدم پر آنکھیں

- - - - - - - - - - -

دہر کے قلزم ذخار کے ہر ساحل پر
جس طرف دیکھیے اطفال نظر آتے ہیں
سر پہ ہیں سایہ کناں آہ وہ افلاکِ عظیم
جو ہمارے لیے پیغام سکوں لاتے ہیں
قلزم دہر کے ساحل پہ یہ طوفاں کا خروش
اُس طرف مجمعِ اطفال میں کھیل کا جوش

ریت سے اپنے گھروندوں کو بنا کر خوش ہیں
خالی گھونگوں سے کبھی کرتے ہیں دل کو مسرور
سوکھے پتوں سے بناتے ہیں سفینے اطفال
جیسے وہ قلزم بے پایاں کو کر لیں گے عبور
دہر کے قلزم بے پایاں کے ساحل پہ یوں ہی
ایسے اشغال کی بہتات ہے ہر دل پہ یوں ہی

جال کا پھینکنا اطفال بھلا کیا جانے
اور کیا ان کو خبر اس کی ہے غواصی کیا

ہوتے رہتے ہیں جہازوں میں روانہ تاجر
دور ملکوں میں تجارت کے لیے صبح و مسا
اس طرف پتھروں کو کر کے اکٹھا اطفال
منتشر کر کے انھیں ہوتے ہیں کس درجہ نہال

ان کو پوشیدہ جواہر کی نہیں کوئی تلاش
اور وہ پھینکنے سے دام کے واقف ہی نہیں
خندہ زن قلزم بے پایاں کی اٹھتی موجیں
رقص کرتی ہوئی آ جاتی ہیں ساحل پہ کہیں

لوریاں دے کے جھلائے کوئی جیسے مادر
پئے اطفال ہے بے کیف یوں ہی یہ منظر

کتنے طوفان فضاؤں میں یہاں رقصاں ہیں
اور ہوتے ہیں یہاں کتنے سفینے برباد
دسترس موت کی ہر سمت یہاں کتنی ہے
فطرت سادہ مگر پھر بھی یہاں ہے دلشاد
بیکراں بحر کے ساحل پہ ہے بچوں کا ہجوم
موت کہتے ہیں کسے ان کو بھلا کیا معلوم

بچے کی انکھوں میں جو نیند یہاں آتی ہے
کوئی کیا جانے کہ یہ نیند کہاں سے آئی
ہاں یہ افواہ تو اک اس کے لیے ہے مشہور
مسکن خواب پرستان کی ہے پہنائی
بستی جنگل کے گھنے سایہ میں ہے ایک وہاں
روشنی کرمکِ شب تاب کی ملتی ہے وہاں

لوگ کہتے ہیں وہاں جادو کی دو کلیاں ہیں
جو نزاکت میں گلِ تر سے کہیں بڑھ کر ہیں
بچے کی آنکھوں میں یہ نیند کی معصوم جھپک
انھیں دو کلیوں سے آتی ہے جو خوش منظر ہیں
ماں جو گہوارہ میں بچے کو لٹا جاتی ہے
نیند خود چومنے ان آنکھوں کو آجاتی ہے

کیا کسی کو یہ خبر ہے کہ تبسم شیریں
خواب میں آتا ہے اطفال کے جو ہونٹوں پر
اسی نازک سے تبسم کا کہاں ہے مسکن
جلوہ گر ہوتا ہے کس جا سے یہاں یہ آکر

اس کے بارے میں بھی افواہ یہاں ہے مشہور
اہل عالم میں ہے یہ اس کی کہانی مذکور

کہتے ہیں لوگ مہ نو کی کرن اک نازک
گوشہ ابر گریزانِ خزاں کو چھو کر
ایک پاکیزہ تبسم کی بنا رکھتی ہے
جس طرح چھینٹوں سے شبنم کے دھلی صاف سحر
بس یہی ایک تبسم لب اطفال پہ ہے
صبحِ فردا کی جھلک آئینہ حال پہ ہے

کس کو معلوم کہ اطفال کے دست وپا میں
نرم و شیریں یہ طراوت ہے کہاں سے آئی
اس سے پہلے یہ توتازگی مخفی تھی کہیں
وہ جگہ کون سی تھی اب یہ جہاں سے آئی
ہاں جو کچھ غور سے دیکھو بہ شعورِ بیدار
دل فریبی ہے یہ سب ماں کی محبت کا نکھار

مادر اس طفل کی جس وقت تھی دو شیزہ کبھی
قلب معصوم لیے ساتھ بعنوانِ شباب

یہ نزاکت بھری نرمی ہے اسی پہلو کی
عہد رفتہ میں کبھی تھا جو دل و جانِ شباب
آج انداز و ادا طفل نے ماں کے پائے
سابقہ آئینہ حال میں ابھرے سائے

- - - - - - - - - -

اے مرے نورِ نظر جب میں کبھی لاتی ہوں
واسطے تیرے کہیں سے بھی کھلونے رنگین
مجھ پہ کھل جاتا ہے یہ راز عطائے فطرت
کیوں ہیں یہ ابروگل و آب بہ اندازِ حسیں

طفلِ نوخیز پہ جس طرح ہو مہر مادر
یہ مناظر بھی یونہی ہیں پئے تسکینِ نظر

اور اے راحتِ دل نورِ نظر راحتِ جاں
گیت میں گا کے تجھے رقص میں جب لاتی ہوں
بحر و اشجار ہیں کیوں حامل نغمات حسین
دفعتاً خود ہی میں اس راز کو پا جاتی ہوں
اپنے الطاف سے انساں کی سماعت کے لیے
میرے بھگوان نے یہ نغمۂ شیریں بخشے

تیرے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں مٹھائی دے کر
مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے مرے نورِ نظر
جیسے ہوتا ہے عیاں رازِ عطائے باری
شہد سے کس لیے لبریز ہیں گل کے ساغر
کیوں ہیں پوشیدہ یہ پھل پھول میں خانے رس کے
اس نے انسان کو بخشے ہیں خزانے رس کے

اے مرے راحتِ دل جب میں ہنسانے کو تجھے
لب لعلیں کو ترے پیار کیا کرتی ہوں
مجھ پہ کھل جاتا ہے یہ رازِ سحر
روشنی لاتی ہے کس واسطے پیغام سکوں
صبح کی سرد و سکوں بخش ہوا کی خوشیاں
مثل تیرے تبسم مجھے کرتی ہے یہاں

اے خدا تو نے فقط مجھ کو تعارف بخشا
ان رفیقوں سے کہ میں جن سے شناسا ہی نہ تھا
گھر بھی وہ تو نے دیے مجھ کو سکونت کے لیے
جن مکانوں میں کبھی پہلے میں رہتا ہی نہ تھا

آشنا تو نے کیا غیر سے بیگانے سے
قُرب ہر شے سے بڑھا بُعد کے مٹ جانے سے

جب کبھی چھوڑنی پڑتی ہے مجھے جائے قدیم
دل مرا آپ ہی بے چین سا ہو جاتا ہے
بھول جاتا ہوں کرم تیرا رفاقت تیری
قلب سے میرے یہ احساس ہی کھو جاتا ہے
ہر نئی جا پہ ہے موجود ترا حسنِ قدیم
تو شناسا ہے بہر حال مرا ربِ کریم

ایشور میرے مری لامتناہی یہ حیات
سچ یہ ہے تیری رفاقت کی ہے مرہونِ کرم
آج بھی کل بھی وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ میری
تو ہی مونس ہے مرا اب وہ بقا ہو کہ عدم
تو جہاں بھی مرے مالک مجھے لے جاتا ہے
مجھ کو ہر غیر شناسا ہی نظر آتا ہے

جب کوئی بھرتا ہے دم تیری شناسائی کا
اس سے پھر کوئی بھی بیگانہ نہیں رہ سکتا

واسطے اس کے کہیں کوئی بھی در بند نہیں
کوئی حق بات کو افسانہ نہیں کہہ سکتا
میرے مالک ہے دعا میری کہ میرا تو ہو
لاکھ بیگانے ہوں بس ایک شناسا تو ہو

ایک دوشیزہ کو دیکھا جو کنارِ دریا
ایک سنسان جگہ میں نے کیا اس سے سوال
کہاں جاتی ہو یہ آنچل سے چھپائے دیپک
کہاں روشن اِسے کرنے کا ہوا دل میں خیال

گھر مرا تیرہ و ویران ہے اے دوشیزہ
مانگا دے سکتی ہو کیا تم مجھے اپنا یہ دیا

پہلے کچھ دیر تو وا کر کے غزالی آنکھیں
میرے چہرے پہ دھندلکے میں نظر کی اس نے
پھر کہا اس نے کہ میں شام کو آتی ہوں یہاں
اپنے دیپک کو ندی ہی میں بہانے کے لیے
بعد مغرب کے جو تاریک فضا پاتی ہوں
میں چراغاں کو یہاں اپنا دیا لاتی ہوں

میں بڑی گھاس میں خاموش کھڑا تھا تنہا
اور رہا محو نظارہ سرِ دریا تا دیر
سامنے تھا مرے بہتا ہوا دھیما دیپک
جگمگاتے ہوئے میں نے جسے دیکھا تا دیر
جھلملاتا ہوا بے سود نظر آتا تھا
شعلہ نور بھی خود شرم سے تھراتا تھا

شب تاریک کے بڑھتے ہوئے سناٹے میں
اسی دوشیزہ سے میں نے یہ مکرّر پوچھا
اب کہ تم کر بھی چکیں اپنے دیے سب روشن
اور بہتا ہوا ہر ایک دیا چل بھی دیا
اب یہ دیپک بھلا کس واسطے لے جاتی ہو
مجھ کو دے دو کہ کروں اس سے منور گھر کو

سُرگیں آنکھ اٹھا کر مجھے دیکھا کچھ دیر
اور کچھ سوچ کے پھر اس نے دیا مجھ کو جواب
یہ دیا بھینٹ میں آکاش کے دینا ہے مجھے
اس لیے اس کو جلانا ہے یہاں کارِ ثواب

چشمِ حیراں سے تھا میں محوِ تماشہ اُس جا
جس جگہ جلتا تھا بے سود خلا میں وہ دِیا

پوچھا میں نے یہ شب تار کی تاریکی میں
اُسی دوشیزہ سے آخر کہ بتاؤ تو مجھے
کیوں دیا تم نے یہ سینے سے لگا رکھا ہے
گھر مرا تیرہ ہے یہ اپنا دیا دے دو مجھے
کہا اس نے کہ ہے یہ جشنِ چراغاں کے لیے
گم ہوئے جشن میں پھر اس کے دیے کے جلوے

- - - - - - - - - - - - - - -

میرے مالک میرے اللہ بتا دے مجھ کو
کہ میری زیست کے چھلکے ہوئے پیمانے سے
پاک مشروب تجھے کون سا اب ہے مطلوب
کس حقیقت کی طلب ہے میرے افسانے سے
اپنی تخلیق کو خوش دیکھ کے آنکھوں سے مری
میرے کانوں سے صدا سنتا ہے تو خود اپنی

ذہن میں میرے یہ الفاظ و معانی کا ہجوم
میرے خالق تری دنیا کا عطا کردہ ہے

میرے الفاظ کو خود تو نے ترنم بخشا
مجھ پہ ہر طرح سے احسان فقط تیرا ہے
تو مرا ہو گیا مجبورِ محبت ہو کر
مجھ کو احساس ملا تیری مسرت ہو کر

- - - - - - - - - -

ہے مری ذات میں گم ایسی بھی سندر دیوی
جس کا مسکن ہے فقط نور کی رنگینی میں
ہر اجالے میں وہ رہتی ہے درونِ پردہ
ہے مرے ساتھ بہر لحظہ خوش آئینی میں
وہ مرے آخری نغمات میں ہو گی ملبوس
نذرِ آخر تجھے دے گا اسے قلب مایوس

گفتگو عجز کی اب تک اسے اپنا نہ سکی
شوق وتشویش نے اس کے لیے بازو پھیلائے
وہ رہی دل میں مرے زیست کا محور بن کر
شہر در شہر پھرا میں اسے سینے میں چھپائے
حکمراں مجھ پہ رہی خواب میں بیداری میں
سامنے آئی وہ غفلت میں نہ ہشیاری میں

آدمی آئے بہت اس سے مُلاقی ہونے
اور پکارا اسے دروازے پہ میرے گھر کے
جو بھی آیا گیا مایوس ہی واپس ہو کر
کبھی پردے نہ اٹھے اس کے رخِ انور کے
منتظر تیری توجہ کی وہ اب بھی ہے ضرور
ہے فقط تیرے لیے سارے جہاں سے مستور

- - - - - - - - - -

اے خداوندِ جہاں فاطرالافلاکِ عظیم
آشیاں میں بھی ہے تو عرصۂ افلاک میں بھی
تو کہ ہے حُسنِ سراپا تری الفت ہی فقط
کارفرما ہے ازل سے خس و خاشاک میں بھی
رنگ سے صوت سے خوشبو سے یہاں ظاہر ہے
تو ہی اول مری دنیا کا تو ہی آخر ہے

صبح لے کر سبدِزر یہاں روز آتی ہے
سطحِ گیتی پہ یہاں تاج سجانے کے لیے
کتنے خوش رنگ ہیں فطرت کے سنہرے یہ پھول
تحفے بھگوان کی جانب سے زمانے کے لیے

ابر پاروں کی بدلتی ہوئی شکلیں لاکھوں
جن سے تاروں بھرے سینے کو چھپا لیتا ہے
ابر پاروں کے یہ ہر لحظ بدلتے ہوئے رنگ
تیرے سینے پہ ہیں فطرت کے مچلتے ہوئے رنگ

دیوتا امن کے بھگوان تجھے بھاتے ہیں
تیز رو اشک بھرے ہلکے یہ کالے بادل
اس لیے تجھ کو گھٹاؤں پہ بھی پیار آتا ہے
غم و اندوہ کا ہیں بار سنبھالے بادل
چادرِ ابرِ سیہ اشکوں سے تر آتی ہے
اسی باعث مرے بھگوان تجھے بھاتی ہے

- - - - - - - - - -

جو رواں میری رگوں میں ہے، وہ جیون دھارا
رقص کرتا ہے شب و روز زمانے بھر میں
یہ وہی روح ہے، مٹی سے نمو دیتی ہے
گھاس کی پتی کو بے شبہ یہ دشت و در میں
موجۂ رنگِ گل ولالہ کی رو میں ہے وہی
زیست اور موت کی پیہم تگ و دو میں ہے وہی

اور ہر صبح کو سنسان ترائی کی طرف
شام آجاتی ہے لے کر تری رحمت کا شرف

راہیں روندیں ہوئیں ویران وہ چوپاؤں سے
روز ہو جاتی ہیں سیراب سکوں پانے سے
ہاں مگر چرخ کی رفعت کا بھلا کیا کہنا
ہے جو بے داغ فقط نور کے چھا جانے سے
وہ خلا جس میں کہ دن رات کے انداز نہیں
رنگ اور شکل نہیں کوئی بھی آواز نہیں

- - - - - - - - - -

پرتوِ نیرِاعظم کے یہ بازوئے دراز
پھیلتے ہیں جو ترے حکم سے گیتی کی طرف
منتظر رہتے ہیں دروازے پہ میرے دن رات
تاکہ لے جائیں مرے اشک بلندی کی طرف
میری آہیں مرے نغمات مرے سب آنسو
صورتِ ابر میں پاتے ہیں تری سمت نمو

عالمِ شوق کی خوشیوں میں یہ دھندلے بادل
میرے بھگوان تو سینے سے لگا لیتا ہے

مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے خداوندِ جہاں
میں اسی روح سے اعضا مرے باشوکت و شان
سر مرا فخر سے اونچا ہے اس احساس کے ساتھ
کتنا پاکیزہ ہے وہ خوں جو رگوں میں ہے رواں
آج تک جسم میں میرے وہ لہو باقی ہے
جس میں گزرے ہوئے ہر عہد کی بو باقی ہے

- - - - - - - - - - -

کیا یہ ممکن ہی نہیں تیرے لیے اے غافل
کہ کرے نغمۂ راحت سے مسرت حاصل
ہر خوشی موت کے گرداب میں جو پلتی ہے
کیا وہ تیرے لیے ناداں ہے بہت ہی مشکل
جو بھی موجود یہاں عالمِ ایجاد میں ہے
سعیِ منزل میں یہ ہر لحظ اک افتاد میں ہے

ہے ہر اک شے کے لیے دہر میں تقدیر گریز
آگے بڑھتے کسے کب روک سکا ہے کوئی
تیز رو نغمۂ رفتار کے زیر و بم سے
وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے ہر فصل نئی

راگ کی، رنگ کی، بو کی یہ خوشی بے پایاں
گرتی ہیں بحر میں جس طرح سے بہہ کر ندیاں

- - - - - - - - - - -

میرے بھگوان میں قربان تری مایا کے
ناز اور فخر کروں اپنے پہ میں دن اور رات
جا بجا میں تری مایا کی نمائش کر کے
نور پر رنگوں کی کرتا ہوں میں تیرے بہتات
نور کو اپنے تو پہنا کے نئے کچھ ملبوس
کرتا ہے خود کو بہر طور جہاں سے مانوس

تیز سے تیز وہ نغموں کی صدائیں تیری
جن کی ہر گونج میں ہیں رنگ غم و شادی کے
خوف و امید کی لہریں یہ ابھرتی گرتی
روز و شب بنتے بگڑتے ہوئے یہ خواب میرے
ہیں یہ آثارِ عمل خود شکنی کے تیرے
تیرے ہی نور کے پرتو ہیں یہ جلوے تیرے

ہے جو اس دہر میں تیرے رخِ زیبا کا حجاب
نت نئے رنگ سے دن رات مزین ہے یہاں

اور اس پردے کے پیچھے وہ تری مسند ہے
جس کی تعمیر میں خط ہائے خمیدہ ہیں نہاں
خط جو بے معنی و سادہ ہیں، ہیں معدوم یہاں
تیرے جلوے کی نمایش مرا مقسوم یہاں

- - - - - - - - - - - - - -

جس طرف دیکھیے آثارِ من و تو سے یہاں
ارض سے تابہ سماوات ہیں جلوے لاکھوں
نغمۂ ہائے من و تو گونج رہے ہیں پیہم
ماضی و حال کے اوراق پہ ہے ان کا فسوں
عہدِ پارینہ سے تاحال ہے جو کچھ یہ جہاں
یہ من و تو کی فقط آنکھ مچولی ہے یہاں

- - - - - - - - - - - - - -

ہے جو پوشیدہ مری روح کی گہرائی میں
گہری نادیدہ سی تاثیر کے جذبات کے ساتھ
میرے احساس کو بیدار کیے رکھتا ہے
محو رکھتا ہے دل و چشم کو نغمات کے ساتھ
چھیڑ کر عالمِ الطاف میں سازِ دل کو
شادی و غم سے سجاتا ہے مری محفل کو

جال مایا کا سنہرا کہ رو پہلا اس جا
مختلف رنگ سے وہ اس کو مزیّن کر کے
ڈال دیتا ہے اسے اہل جہاں کے آگے
اس میں پھر خود ہی نیا رنگ فنا کا بھر کے
اپنے آثار کو کرتا ہے ہویدا مجھ پر
جن کے ہر لمس سے ہوتا ہے تحیّر یکسر

دن نئے آتے ہیں اور عمریں گزر جاتی ہیں
میرے مالک ترے الطاف و عطا کے صدقے
تو نئے رنگ سے ہر روز نشاط و غم کے
بخشتا رہتا ہے نا چیز کو عنواں اچھے
مستی شادی و غم رکھتی ہے سرمست مجھے
میرے مالک ترے اس جودو کرم کے صدقے

ہے کہاں ترکِ علائق میں یہاں آزادی
تیاگ اور جوگ سے ملتی ہی نہیں راہِ نجات
دھیان اور گیان کی مکتی کا تقاضا ہے یہی
بندشِ کار کا پابند بشر ہو دن رات

مختلف رنگ کی اور بو کی وہ صہبا تیری
جس سے سرمست رہا کرتی ہے ہستی میری

بھرتا رہتا ہے مرے جام سفالی کو تو ہی
مئے پاکیزہ و گلگوں سے لبا لب ہر روز
سیکڑوں خیر سے یہ میرے جہاں کے دیپک
نور سے تیرے ہیں روشن یہاں ہر شب ہر روز
ان چراغوں کو تری بھینٹ بنانا ہے مجھے
سامنے تیرے، ترے در پہ چڑھانا ہے مجھے

کیا ضرورت ہے مجھے گم جو کروں اپنے حواس
دیکھنے سننے کی چھونے کی مسرت میری
میرے بھگوان یہ سب تیری عطا کے عنواں
ہے مرے واسطے خوش بختی قسمت میری
میرے اوہام جلا دے گی مسرت تیری
پختہ یوں ہو گی تمنا سے محبت تیری

- - - - - - - - - - -

اب کہ دن ختم ہوا اور اندھیرا چھایا
کیوں نہ میں اپنا گھڑا بھرنے ندی پر جاؤں

چشمہ کے نغمۂ خاموش سے سرشار ہوا
مجھ کو آغوش میں لینے کو نہ بیتاب ہو کیوں
راہ ویران ہے اور تیز ہوا چلتی ہے
ندی آغوش میں موجوں کو لیے بہتی ہے

کیا خبر گھر کو میں واپس بھی پھروں یا نہ پھروں
کون مل جائے اچانک یہ مجھے کیا معلوم
کہہ سکے کون کہ کیا ہو گا بقیدِ فردا
عرصہ زیست میں لے جائے کہاں اب مقسوم
اجنبی چھوٹی سی اک ناؤ میں ہے دریا پر
بانسری کوئی نئی دھن میں بجاتا ہے اُدھر

نعمتیں وہ مرے مالک جو عطا کی تو نے
ہم سے انسانوں کو بے شبہ جو یاں فانی ہیں
لوٹ جاتی ہیں ضرورت مری پوری کر کے
بے کم و کاست عطائیں تری لاثانی ہیں
فرض کرتا ہے ادا جیسا کہ دریا اپنے
سینچنے کے لیے میدانوں کے پیاسے سینے

پھول دیتا ہے مہک اپنی ہوا کو جیسے
اور خوشبو سے بساتا ہے زمانے کا دماغ
بوئے گل، آبِ رواں دونوں کے دونوں آخر
واپسی پر ترے دروازہ پہ پاتے ہیں فراغ

بس یونہی تیری عبادات میں کچھ حرف نہیں
جز تری مدح کے شاعر کا کوئی حرف نہیں

- - - - - - - - - -

اے خداوند مرے مالک ہر کون و مکاں
دست بستہ میں ترے آگے رہوں گا ہر روز
نیچے آکاش کی وسعت ہی کی تنہائی میں
کیا میں خاموش رہوں یونہی بقلبِ پُر سوز
سعی و کاوش ہے بہت کارگہِ ہستی میں
کیوں ہوں میں محوِ بہ بازارِ جہاں مستی میں

ذرہ ذرہ حرکت میں ہے یہاں عالم کا
جو بھی کچھ ہو گا یہاں جہد عمل سے ہو گا
کون فطرت کے تقاضوں کو بھلا روک سکے
میرے مالک ہے یہ ہی تیری رضا کا ایما

اے شہنشاہ فرائض مرے جب ہوں گے تمام
پھر بھلا کس لیے دنیا میں رہوں گا بے کام

- - - - - - - - - -

جانتا ہوں مرے مالک مرا معبود ہے تو
اس لیے تجھ سے ذرا دور کھڑا رہتا ہوں
تجھ کو ہم جنس جو میں اپنا نہیں پاتا ہوں
تیری قربت کی میں جرات ہی نہیں رکھتا ہوں
اپنا رب جان کے میں سامنے جھک جاتا ہوں
تجھ کو محبوب سمجھتے ہوئے شرماتا ہوں

تو جہاں آ کے یہ کہتا ہے کہ میں تیرا ہوں
میں وہاں خود نہیں ہوتا کہ ملاقات کروں
مثل محبوب کے سینے سے لگا کر تجھ کو
یہ کہاں بخت کہ میں فخر و مباہات کروں
بھائیوں میں یہاں بس تو ہی مرا بھائی ہے
قلبِ ناچیز مرا تیرا ہی شیدائی ہے

کچھ کسی کو میں کمائی سے نہیں دے سکتا
تاکہ جو کچھ ہے مرے پاس تجھے دے تو سکوں

دکھ میں اور سکھ میں کسی کے نہیں حصہ لیتا
تاکہ میں تیری ہی خدمت کے مزے لے تو سکوں
جان کے دینے سے میں جی کو چراتا ہی رہا
قلزمِ زیست سے اپنے کو بچاتا ہی رہا

جب کہ تخلیق ہوئی عالمِ امکاں کی تمام
ہوا تاروں سے منور فلک نیلی فام
دیوتا محوِ ترنم ہوئے مل کر سارے
تیری تخلیق ہے معبود مسرت کا پیام

گرچہ تصویر کی تخلیق تھی کامل یکسر
دفعتاً ایک ہی رشی بول اٹھا یہ بڑھ کر

ایسا لگتا ہے کہ اس نور کی زنجیر ابھی
اک جگہ ٹوٹ گئی تارے کے کھو جانے سے
ہو گیا ٹوٹ کے گم چرخ سے تارا کوئی
جیسے ہٹ جائے حقیقت کسی افسانے سے
تار و دنیا کے سبھوں کی وہ سنہرے ٹوٹے
بزم خاموش ہوئی بند ہوئے سب نغمے

پھر رشی خوف زدہ ہو کے یہ چلا اٹھا
وہی کھویا ہوا تارا تھا فقط سب میں عظیم
باعثِ عظمتِ افلاک جو تھا وہ تارا
کس جگہ ہو گیا ناپید مرے ربِ کریم
لے کے اس روز سے تاحال ہے جاری اب تک
جستجو کرتی ہے یاں نجم شماری اب تک

شور ہر سمت اُسی دن سے یہ برپا ہے یہاں
گم اسی تارے کے ہمراہ ہوئی جگ کی خوشی
شب کے سناٹے میں کہتے ہیں کواکب ہنس کر
جستجو ایسی عبث اہل جہاں کی ہو گی
حکمِ معبود کی افلاک میں تعمیل ہوئی
ہر طرح عالمِ تخلیق کی تکمیل ہوئی

- - - - - - - - - -

تجھ سے ملنا جو یہاں پر مری قسمت میں نہیں
میرے اللہ مرے دل میں یہ احساس رہے
مجھ کو ایک لحظہ بھی یہ بات فراموش نہ ہو
میری غفلت کی خطا ہے یہ مجھے پاس رہے

جاگے سوتے مرے قلب کو یہ رنج رہے
تادمِ مرگ مرے دل کو کشش و پیچ رہے

جیسے جیسے مرے دن گزریں بہ بازارِ حیات
اور روزانہ منافع سے مری جیب بھرے
میرے مالک مجھے دے پھر بھی ضرر کا احساس
تادم مرگ مرے دل کو وہی رنج رہے
تھک کے بیٹھوں جو سرِ راہ گزر میں یارب
دل کو بھولے نہ مرے عزمِ سفر کا منصب

سج چکے جب بھی مرے گھر میں مری جائے نشست
قہقہے گونج اٹھیں سازِ طرب جب چھڑ جائے
میرے مالک یہ ضروری ہے کہ محسوس کروں
میں کمی تیری بہر طور ترے بن آئے
میں جدائی تری پل بھر نہ فراموش کروں
دے نہ اس غم تپش دل کو مرے صبر و سکوں

- - - - - - - - - - -

اے خدا اے مرے خورشید جہاں تاب ہوں میں
لکۂ ابر کی مانند فلک پر رقصاں

جو فضاؤں میں رہے فصلِ خزاں بے سود
کیوں ترے لمس نے بے جذب مجھے چھوڑا یاں
تیری تابش سے بخارات مرے حل ہو کر
کس لیے گم نہ ہوئے ذات میں تیری یکسر

اور کب تک میں جدائی کے مہ وسال گنوں
خیر اے میرے خدا گر تری مرضی ہے یہ ہی
اس اُداسی میں مری رنگ سنہرا بھر دے
زیست سادہ ہے مری اس کو ملے رنگینی
بے کسی کو مری یا موجِ ہوا گم کر دے
ظرف ناچیز میں یا اپنے عجائب بھر دے

مرے مالک تری جب شب کو تمنا ہو گی
کہ مری زیست کا ہو جائے تماشہ یہ تمام
عبد ناچیز ترا تیری رضا کے صدقے
ہو گا ظلمات میں تحلیل بہ اندازِ دوام
یا میں گم ہوں گا اجالوں میں سحر کے یکسر
ایک پاکیزہ و شفاف سی خنکی پا کر

- - - - - - - - - - -

اے خداوند یہ ایامِ تعطل اکثر
میں نے برباد شدہ وقت کا ماتم بھی کیا
میرے مالک ترے نزدیک یہ گزرے اوقات
پھر پلٹ آئیں گے دوبارہ جو تو چاہے گا

کب کہیں دستِ تصرف سے ترے باہر ہے
فرق یہ ماضی و فرد کا ہے تجھ کو لاشے

ہو کے پوشیدہ ہر اک شے میں تو ہی اے مالک
تخم نا چیز سے کونپل کو نمو دیتا ہے
اور پھر پھول بناتا ہے تو ہی کلیوں کو
پھل بھی ان پھولوں سے مالک مرے تو دیتا ہے
تھک کے میں سو رہا جب بسترِ بیکاری پر
میں یہ سمجھا کہ تعطل ہوا طاری یکسر

تھا گماں مجھ کو ہر ذرہ ٹھہر جائے گا
جیسے میں رک گیا ہر چیز ہی رک جائے گی
عالمِ خواب نے جیسے مجھے مدہوش کیا
ایسے ہی شب میں ہر اک چیز سکوں پائے گی

صبح کے وقت یہ منظر مجھے تا دور ملا
تختہ صحن چمن پھولوں سے بھر پور ملا

- - - - - - - - - - - -

دستِ قدرت میں ترے ہے مرے مالک سب کچھ
وقت سی شے بھی ترے واسطے محدود نہیں
کون گن سکتا ہے لحات ترے اے مالک
رہ گزر وقت کی تیرے لیے مسدود نہیں
ختم ہو جاتے ہیں ہر بار شب روز یہاں
کھل کر مرجھاتے ہیں پھولوں کی طرح کتنے زماں

منتظر رہتے ہیں کس طرح، سلیقہ ہے تجھے
ایک چھوٹے گل صحرائی کو دینے میں نمو
بیت جاتی ہے اسی کام میں صدیاں کتنی
منتظر تو ہے ہر انجام کا رہ کر یک سو
پاس ہو اپنے بھی کچھ وقت کہاں ایسے نصیب
حیف ہم وقت کی خاطر بھی ہیں محتاج و غریب

کرنی پڑتی ہے ہمیں چھین جھپٹ دنیا سے
وقت تب فائدہ پانے کو کہیں ملتا ہے

اور کچھ وقت ہمارا کوئی لے اُڑتا ہے
اور پھر اتنا سے ہم کو نہیں ملتا ہے
تیری پوجا میں جو کچھ صرف کریں وقت کہاں
حیف ہے ہم پہ کہ کس درجہ ہیں نادار یہاں

چھٹ پٹے وقت میں یہ سوچ کے تعمیل کے ساتھ
آگے بڑھتا ہوں کہ در بند نہ ہو جائے کہیں
اے خداوندِ جہاں ترے کرم کے صدقے
بند ہو جائے کبھی جو، ترا دربار نہیں

ہم پہ بھگوان کرم تیرا سدا رہتا ہے
تیرا دروازہ ہمیشہ ہی کھلا رہتا ہے

میری. ماتا یہ ترے زیب گلو کرنے کو
اشکوں کے موتیوں سے ہار بنایا میں نے
اس کے موتی میں مرا رنگِ الم شامل ہے
غم سے اپنے ہی فقط اس کو سجایا میں نے
تارے روشن یہ ترے پاؤں کی زیبائش ہیں
قمقمے نور کے پازیب کی آرائش ہیں

ہار میرا ترے سینے کی سجاوٹ جو بنے
میرا یہ تحفۂ ناچیز انوکھا ہو گا
اب وہ دولت ہو کہ شہرت ہے عطیہ میرا
پر یہ غم میرا فقط میرا ہے ماتا میرا
اپنی یہ نذرِ محبت تری خاطر لایا
تیری سرکار نے بدلے میں کرم فرمایا

- - - - - - - - - - - - -

یہ غمِ ہجر ہے یا دورِ جدائی اے دوست
جو فقط چار طرف دہر میں یاں پھیلا ہے
اس سے ہیں وسعت افلاک میں لاکھوں شکلیں
اس نے خود نور ستاروں کو وہاں بخشا ہے
رات بھر یہ کبھی تاروں کی خاموشی سے عیاں
کبھی ساون کی گھٹاؤں کے ترنم میں نہاں

ہر طرف پھیل کے یہ درد محبت بن کر
جلوہ فرما کبھی ہوتا ہے تمناؤں میں
راحت و رنج کی صورت میں گھروں میں گا ہے
ملتا ہے سکھ میں کبھی اور کبھی ایذاؤں میں

ہے اسی درد سے سرمست کوی کے نغمات
حکمراں عالمِ امکاں پہ یہ غم ہے دن رات

- - - - - - - - - - -

اولاً سور ما نکلے جو درِ آقا سے
اپنی قوت کو کہاں وہ چھپا آئے تھے
پاس تھی ان کے زرہ کوئی نہ کوئی تلوار
ساتھ کیا اپنے وہ غربت کے سوا لائے تھے
جب وہ اس دہر میں آقا کے محل سے آئے
یہ حقیقت ہے کہ تیر ان کی طرف برسائے

اور جب لوٹے وہ آقا کے محل کی جانب
کس جگہ کر گئے محفوظ وہ اپنی طاقت
سپر انداختہ لوٹے ہیں وہ جب اس کے حضور
امن کے نور سے تاباں تھی جبیں کی طلعت
اپنے مالک کی طرف لوٹے ہیں وہ جب ناکام
صلح کا ان کی خاموشی سے تھا ظاہر پیغام

- - - - - - - - - - -

در پہ میرے ملک الموت ہے محکوم ترا
کر کے جو آیا ہے ان جانے سمندر کو عبور

لے کے آیا ہے طلب نامہ ترا میرے لیے
خوف ہے دل کو مرے رات ہے کتنی بے نور
پھر بھی میں لے کے دیا ہاتھ میں در کھولوں گا
خیر مقدم کے لیے لفظ بھی میں بولوں گا

سامنے اس کے سر عجز کو خم کر دوں گا
اے زہے بخت کہ وہ لایا ہے تیرا پیغام
باندھ کر ہاتھوں کو میں اس کی کروں گا پوجا
نذر میں دوں گا اسے دل کے خزانے میں تمام
گھر پہ آیا ہے مرے وہ ترا قاصد بن کر
اے خدا اس کے قدم عبد کے سر آنکھوں پر

کام اپنا وہ یہاں کر کے چلا جائے گا
اور ہو جائے گی تاریک یہاں میری سحر
اور پھر میرے اسی غم کدہ ویراں میں
جسم خاکی یہ مرا ہو گا پڑا مٹی پر
آخری نذر تری پھر یہ ہی قالب ہو گا
تجھ سے جو میرے لیے رحم کا طالب ہو گا

- - - - - - - - - - -

لے کے مایوس تمنا کو جو میں جاتا ہوں
گھر کے ہر گوشے میں کرنے کے لیے اس کی تلاش
وہ نہیں ملتا مجھے حیف یہ قسمت میری
گھر میرا اتنا بھی چھوٹا تو نہ ہوتا اے کاش

جو بھی اک بار گیا ہے مرے غم خانے سے
رہا معذور ہمیشہ وہ پلٹ آنے سے

پر تیرا گھر مرے اللہ ہے وہ لا محدود
جس کی وسعت پہ نگہ کر کے نظر حیراں ہے
جستجو میں اسی مطلب کی میں پہنچا ہوں
درِ اقدس پہ ترے گھر کے کہ جو ایواں ہے
شامیانہ وہ سنہرا فلک شام .کا ہے
سائے میں جس کے مقام اس ترے ناکام کا ہے

دیکھتا ہوں میں تمنائی ترے رخ کی طرف
آ گیا ہوں میں سرِ ساحل دریائے دوام
یہ جگہ وہ ہے کہ جس جاہے تراغیب شہود
سامنے اشک بھری آنکھوں کے جلوے ہیں تمام

کوئی امید یہاں محو نہ اب کوئی خوشی
مجھ کو اب دید میسر ہے ہر اک منظر کی

ظرف ہے زیست کا مالک مرے خالی اب تک
اس کو تو اپنے یم ذات میں غوطہ دے دے
اور پھر اس کو ڈبو دے بڑے گہرائی میں
پھر مرے گیان کو ایک بار سہارا دے دے
مجھ میں پھر گم شدہ وجدان یہاں پیدا ہو
میں تمنائی مرا قلب ترا شیدا ہو

- - - - - - - - - -

دیوتا مندرِ برباد شدہ کے صد حیف
تار بھی ٹوٹ چکے کب کے اس اک دنیا کے
جس کے ہر تار میں جھنکار تری حمد کی بھی
شام کے گھنٹے ہیں خاموش تری پوجا کے
یوں ترے چار طرف آہ ہوا ہے خاموش
جیسے ہوں دور تلک سارے مناظر بے ہوش

دیدنی ہے ترا سنسان وہ مسکن صد حیف
موسمِ گل کی ہوا آتی ہے آوارہ جہاں

ان گلوں کی بھی خبر آ کے ہوا دیتی ہے
جن کو پوجا کے لیے تیری نہ لایا کوئی یاں
عہدِ رفتہ کا پجاری وہ ترا بیچارہ
یادِ ماضی کو لیے پھرتا ہے مارا مارا

شام کو ملتے ہیں تاریکی میں جب گردو غبار
آگ کے شعلے سمٹ جاتے ہیں جب سائے میں
وہ تھکا ہارا پجاری ترا مندر کی طرف
روز آتا ہے یہاں بھوک لیے سینے میں
دن بھی تیوہاروں کے چپ چاپ یہاں آتے ہیں
بے چراغاں ہی شب و روز گزر جاتے ہیں

بت تراشی کے جو ماہر ہیں بناتے ہیں یہاں
بت بہت سے کہ جو گمنامی کی دھارا میں بہے
وقت کے ساتھ ہر اک چیز بدل جاتی ہے
کون جانے یہاں کل کون رہے یا نہ رہے
دیوتا مندرِ برباد شدہ کا اس جا
ہدفِ غفلتِ دنیا ہے یہاں پر تنہا

- - - - - -

میرے مالک مرے داتا کی یہی مرضی ہے
میرے الفاظ میں ہنگامہ نہ ہو شور نہ ہو
اس لیے میری دعائیں یہاں مدھم ہوں گی
گنگناہٹ میں ادا ہوں گے مرے گیت اب تو

جاتے ہیں تیزی سے سب لوگ بہ بازارِ شہی
بیچنے والے بھی گاہک بھی وہیں ہوں گے سبھی

میں نے بے وقت مگر ایسے میں چھٹی لے لی
دوپہر کا یہ اور کام کی یہ کچھ بہتات
خیر گلشن کے مرے پھولوں کو کھِل جانے دو
گو ابھی پھولوں کے کھلنے کے نہیں ہیں اوقات
مکھیاں شہد کی گانے لگیں مستی بھرا گیت
چھیڑ لے گیت ذرا دن کے سمے کا سنگیت

وقت کافی یونہی کھویا یہاں نیک و بد میں
سب یہ بے سود ہی تھے خیر کے شر کے جھگڑے
خوابِ غفلت سے جو بیدا کیا ساتھی نے
کھل گیا مجھ پہ تھے سب میری نظر کے جھگڑے

کیا خبر اب بھی یہ ساتھی نے بلایا کیوں ہے
بے نتیجہ یہ بلاوا میرا آیا کیوں ہے

- - - - - - - - - -

موت جب در پہ ترے آئے گی کیا دے گا اُسے
مجھ سے خود ہے میری فطرت کے تقاضوں کا سوال
دوں گا مہمان کو لبریزی میں خود جامِ حیات
جائے وہ گھر سے تہی دست مرے ہے یہ محال
زیست کے سارے مشاغل کی کمائی ساری
اس کے قدموں پہ میں رکھ دوں گا ہر اک شے پیاری
جو بھی کچھ پاس مرے ہو گا اثاثہ سارا
فصل گُل کی وہ عطا ہو کہ خزاں کی بخشش

زیست نے مجھ کو مری جتنے بھی پھل پھول دیے
اس میں ہو میری کمائی کہ جہاں کی بخشش
دیوتا موت کا جب در پہ مرے آئے گا
میرے نذرانوں کو دامن میں لیے جائے گا

- - - - - - - - - -

آہ اے موت مری زیست کی معراج کمال
آ سنا دے مجھے اب نغمۂ شیریں اپنا

راہ دیکھی ہے مسلسل مری آنکھوں نے تری
منتظر وقت یہاں گذرا ہے غمگیں اپنا
کیا بتاؤں میں تجھے زیست کے دکھ سکھ سارے
اس توقع یہ گزارے کہ تو آئے بارے

میں بھی خود اور جو مرے پاس ہے وہ بھی تیرا
آرزو قلب کی اور میری تمنا میں بھی
سب کی سب ایک فقط تیری طرف بہتی ہیں
تیرے آ جانے کی گھڑیاں کہیں آ جائیں بھی
آخری تیرا اشارا مری ہستی کی دلیل
مر چکوں کاش تو کچھ ہو مرے جینے کی سبیل

گندھ چکے پھول یہاں ہار یہاں بن بھی چکا
خیر سے اب کہیں لے جائے دلہن کو دولہا
ہو چکی دیر دلہن میکے کو جلدی چھوڑے
ایسے ہنگامے میں تاخیر نہیں اب زیبا
چھوڑ کر ظلمتِ دنیا میں غمِ ہجراں کو
اپنے محبوب سے ملنا ہے عروسِ جاں کو

- - - - - - - - - -

مجھ کو معلوم ہے وہ دن بھی یہاں آئے گا
جب کہ ہر منظرِ عالم سے میں ہوں گا محروم
جب میں اس بزم سے چپ چاپ چلا جاؤں گا
جب کہ ظلمت مری ان آنکھوں کا ہو گا مقسوم

رات بھی آئے گی تارے بھی درخشاں ہوں گے
دن بھی آئے گا اجالوں کے بھی ساماں ہوں گے

گھڑیاں آئیں گی یہاں بحر کی موجوں کی طرح
دہر کے راحت و غم جن میں سمائے ہوں گے
گن کے دکھ سکھ کے یہ لمحات چلی جائیں
یوں ہی عالم میں شب و روز کے سائے ہوں گے

جب میں اس زیست کے انجام پہ کرتا ہوں خیال
سامنے ہوتا ہے میرے مری ہستی کا مآل

میری نظروں سے حجابات سے اٹھ جاتے ہیں
اور لمحات کی دیوار بھی گر جاتی ہے
یہ زمین بکھرے ہوئے اپنے خزانے لے کر

سامنے میرے تصور کے چلی آتی ہے
اور پھر دہر کچھ اس طرح سے آتا ہے نظر
جیسے ہر ذرہ ناچیز یہاں ہے گوہر

مجھ کو جن چیزوں کی رہتی تھی تمنائے عبث
اور وہ چیزیں بھی جو ہو گئیں حاصل مجھ کو
اب مرے پاس سے ان سب کو چلا جانے دو
فکرِ انجام نے بخشا ہے نیا دل مجھ کو
جن کو میں ہیچ سمجھتا تھا وہ مل جائیں مجھے
آج سے پہلے نہ تھی جن کی تمنائیں مجھے

- - - - - - - - - - -

آؤ اب تم بھی محبت سے مجھے کر دو وداع
بھائیو مل ہی گئی خیر سے رخصت مجھ کو
سب کے آگے یہ تسلیم جھکا کر سر کو
جاتا ہوں، مل گئی، مالک سے اجازت مجھ کو
چابیاں لو یہ مرے گھر کی مبارک تم کو
ملکیت بام کی اور در کی مبارک تم کو

میں فقط تم سے محبت کا تمنائی ہوں
چاہیے تم سے فقط پیار بھرے بول مجھے
ہم پڑوسی رہے دنیا میں بڑی مدت تک
تم نے ہر چیز کا بدلہ دیا بے تول مجھے

ہو چکی صبح بس اب گل ہوا روشن و چراغ
جس سے رہتا تھا منور مرا دل اور دماغ

آخرش آ ہی گیا میری طلب کا پیغام
اے زہے بخت کہ اب اس نے بلایا مجھ کو
ہوں کمر بستہ میں اب اپنے سفر کی خاطر
خیر سے نور سحر اس نے دکھایا مجھ کو
میرے آغاز کا انجام اب اچھا آیا
اس کے دربار سے کیا میرا بلاوا آیا؟

- - - - - - - - - -

دوستو اب کہ مرا وقت سفر آ ہی گیا
خیر سے مجھ کو دعا دیتے ہی رخصت کر دو
لو نمودار ہوئی چرخہ سرخی کی جھلک
راہ ہے میری بصد حسن مجلّا اب تو

یہ نہ پوچھو وہاں لے جانے کو کیا رکھتا ہوں
ہوں تہی دست مگر دل میں وفا رکھتا ہوں

میرے سینے میں وہ ارمان بھرا دل بھی تو ہے
دیکھ کر جس کو وہاں عشق بھی نازاں ہو گا
تحفۂ بار گہ حسن لیے جاتا ہوں
جو سر رفعتِ افلاک درخشاں ہو گا
ہارشادی کا پہن کر مجھے جانا ہو گا
کتنا رنگین حقیقت کا فسانہ ہو گا

گیروا کیوں مرا ملبوس وہاں کا ہو گا
جانتا ہوں کہ نہیں راہ خطر سے خالی
مطمئن قلب کو لیکن مرے کچھ خوف نہیں
ہے مرے سامنے روشن مری منزل عالی
ختم جب میرا سفر راج محل پر ہو گا
بربطِ نور سے پھوٹے گا حسین اک نغمہ

- - - - - - - - - -

طے کیا میں نے درِ زیست کو جب پہلے پہل
حیف اس وقت کا اب تک بھی مجھے علم نہیں

کون لایا ہے مجھے کار گہ ہستی میں
مثل یک غنچۂ صحرا یہ نمو دے کے حسیں
عالمِ راز کے اس طول میں آدھی شب کو
تازگی کس نے عطا کی ہے یہ سوچو سمجھو

آشنا خود کو یہاں میں نے سحر سے پایا
اور کچھ یوں کہ تھا پہلے شناسا گویا
اور بے نام کی اک ہستی بے صورت نے
مثل ماں کو مجھے آغوش میں اپنی پالا
بس یونہی موت کے ہنگام بھی وہ آئے گا
پھر نئے دیس میں اس دیس سے لے جائے گا

زندگی پیاری جو ہے موت بھی پیاری ہو گی
مجھ کو ہر حال میں بخشے گا وہی صبر سی شے
جیسے اک مادرِ مشفق لیے آغوش میں لال
دودھ سے بچے کو سیراب کیا کرتی ہے
دہنے پہلو سے لاتی ہے جو بائیں پہلو
بچہ ہو جاتا ہے خوش تھوڑے بہا کر آنسو

- - - - - - - - - -

وقتِ رخصت ہی یہ کلمات ہوں میرے یا رب
میں نے جو چیز بھی دیکھی ہے وہ لاثانی ہے
میں نے اُس شہد کو چکھا ہے جو پوشیدہ تھا
اُ س کنول میں جو سرِ چشمۂ نورانی ہے

یاد سے تیری جو آباد یہاں گزری ہے
اس لیے زیست مری شاد یہاں گزری ہے

کھیل میرا ہوا بازی گہہ عالم میں تمام
ان گنت روپ یہاں مجھ کو نظر آتے ہیں
خیر سے دیکھ لیا اب مری آنکھوں نے اسے
پانے والے جسے دنیا میں نہیں پاتے ہیں
اس کو چھونے سے مرا جسم ہے لرزاں سارا
جس کو چھو لینے کا خود مجھ کو نہیں ہے یارا

ختم ہو جائے کہیں زیست یہیں کاش مری
وقتِ رخصت یہی کلمات ہوں میرے یا رب
عید ہو میری جو مر جاؤں کہیں تیرے حضور
ختم اب کاش یہ دن رات ہوں میرے یا رب

خیر سے خاتمہ بالخیر کہیں ہو جائے
کاش جو ہونا ہے کل آج ہو جائے

- - - - - - - - - -

کھیلا کرتا تھا ترے ساتھ میں جب مالک
کون ہے تو کبھی پوچھا نہ میں نے تجھ سے
مجھ کو محسوس ہوئے تجھ سے کبھی شرم نہ خوف
وہ پُرآشوب سے لمحات جو یاں پر گزرے
اوّلیں دور کے ایام زمانہ میں مرے
رنگ کیا سادہ تھے آغاز فسانے میں مرے

صبح کو کرتا تھا بیدار مجھے مثل ندیم
اور میدانوں میں دوڑائے لئے پھرتا تھا
اُن دنوں میں نے کبھی سعی سمجھنے کی نہ کی
کیا ترے گیت تھے جب اور ترا نغمہ کیا تھا

تال اور لئے پہ مرے قلب کو وجد آتا تھا
دل مرا تیرے ترنم سے کھنچا جاتا تھا

حیف جب کھیل کا وہ پہلا سماں بیت گیا

دیکھتا ہوں میں اچانک یہ نظارہ کیسا
محوِ دیدار نظر آتی ہے ساری دنیا
آہ منظر یہ نیا تو نے ابھارا کیسا
تیرے قدموں سے منور ہیں یہ تارے روشن
سر اٹھائے ہوئے سب کرتے ہیں تیرے درشن

- - - - - - - - - -

میں تجھے ہار سے خود اپنی وہ مالا دوں گا
جس میں کچھ پھول تری فتح کے کھلتے ہوں گے
مجھ میں طاقت نہیں مغلوب نہ مانوں خود کو
اب ہمیشہ ترے جے کار میں ہلتے ہوں گے
ہے یقیں مجھ کو کہ مٹ جائے گا سب میرا غرور
بندشیں زیست کی سب درد سے ہو جائیں گی دور

کھوکھلی بانسری جیسا دلِ ویراں میرا
ہر نفس جس سے کہ اک نغمۂ غم پیدا ہے
جس سے ہر سنگ سے وہ اشک بہیں گے پیہم
جن سے کھل جائے گا فطرت کا تقاضہ کیا ہے
مجھ کو معلوم ہے صد برگ کنول یہ اک روز
کھل کے عالم کے لیے ہو گا زینت افروز

شہد اس پھول کا پوشیدہ نہیں رہ سکتا
یہ خزانہ کسی دن دہر میں بٹ جائے گا
دیکھنے والا مجھے چرخ سے دیکھے گا ضرور
اور ہر پردہ مرے آگے سے ہٹ جائے گا
سامنے میری نظر کے تری محفل ہو گی
تیرے قدموں میں مجھے موت ہی حاصل ہو گی

- - - - - - - - - - -

جب میں پتوار کو چھوڑوں گا تو میرے مالک
جان جاؤں گا کہ اب وقت وہی آتا ہے
جب ترے ہاتھ میں پتوار مرا آئے گا
کام اس طرح سے تکمیل مرا پاتا ہے
کام جو ہونا ہے ہو جائے گا فوراً پورا
سعیِ لاحاصل اِمروز نہیں ہے زیبا

مان لے اے مرے دل جلدی سے اب اپنی شکست
اور چپ اپنی جگہ بیٹھ بھی، ناشاد نہ ہو
ہار یہ تیری مرے دل! ہے عطائے تقدیر
ایشور کی یہ رضا ہے کہ تو برباد نہ ہو

موجِ ادنیٰ سے ہواؤں کی جو بجھ جاتے ہیں
وہ دیے بھی کہیں کچھ دیر چمک پاتے ہیں؟

پر میں اب سوچ سمجھ کر ہی کروں گا سب کام
ہے یہی خوب کہ دیپک میں جلاؤں نہ کبھی
منتظر تیرا اندھیرے میں رہوں گا مالک
فرش پر خاک کے بچھے گی چٹائی اپنی
جب بھی تو چاہے تو خاموش یہاں آ جانا
میرے مالک مری غربت پہ کرم فرمانا

- - - - - - - - - - - - -

قلزمِ حُسن کا غواص ہوں وہ دنیا میں
ہے تمنا جسے وہ گوہر یکتا مل جائے
جس میں ہو رنگ نیا حسن کی بے رنگی کا
جو تجھ کو دیکھ لے وہ دیدۂ بینا مل جائے

بحر در بحر پھروں اور کہاں تک میں کہیں
اب یہ حالت مری طوفاں زدہ کشتی کی نہیں

دن وہ مدت ہوئی گذرے کہ مجھے تھا مرغوب
کھیلنا شام و سحر بحر کے طوفانوں سے
اب تمنا ہے کہ مل جائے مجھے باغِ دوام
جلد گزروں میں کہیں زیست کے ویرانوں سے
لا مکاں وہ ترا دربار جہاں کا نغمہ
سرمدی دھن میں رہا کرتا ہے بے صوت و صدا

اپنے جیون کی یہ دنیا وہیں لے جاؤں گا
اور وہیں گاؤں گا جا کر یہ نوا ہائے دوام
ساز کو کر کے خوش آہنگ پئے یک نغمہ
اپنی دنیا سے سنوں گا میں سکوں کا پیغام
نذر لاہوت میں دے دوں گا اسی دنیا کو
سر جھکا کر میں وہاں خالق بے ہمتا کو

- - - - - - - - - -

عمر بھر لے کے میں نغمات کا اپنے دیپک
دہر میں شام و سحر کرتا رہا تیری تلاش
در بہ در مجھ کو لیے پھرتے رہے گیت مرے
مجھ پہ واضح ہوئے ان سے ہی زمیں اور آکاش

انھیں نغموں نے تو سب کچھ ہے سکھایا مجھ کو
ہر سبق اس مری دنیا کا پڑھایا مجھ کو

انھیں گیتوں نے نشاں بخشے نئی راہوں کے
اور تارے افقِ دل پہ دکھائے مجھ کو
راحت و رنج کی دنیا میں بہر منزلِ نو
گیت میرے نئی اک راہ سے لائے مجھ کو

درِ ایوانِ شہنشاہ پہ پہنچا آخر
شامِ تکمیلِ سفر ہو ہی گئی اب ظاہر

- - - - - - - - - - - -

میں نے شیخی میں فقط کہہ دیا یہ لوگوں سے
میرے مالک کہ مجھے تجھ سے شناسائی ہے
میرے کُل کاموں میں وہ دیکھ کے آثار ترے
پوچھتے ہیں کہ بتا کون یہ اے بھائی ہے
گرچہ اس بات کا پاسخ ہے یہاں خود نایاب
ان سے کہتا ہوں کہ جاؤ نہیں دیتا میں جواب

غصہ سے کہہ کے برا مجھ کو وہ جب جاتے ہیں
دیکھتا ہے انھیں تو خود متبسم ہو کر
راز سینے کے مرے تیرے فسانے یارب
میرے نغمات سے جب ہو گئے ظاہر یکسر
پھر وہی لوگ قریب آئے تری دنیا کے
اور پھر پوچھا بتا لفظوں کے معنی کیا تھے

گو جواب ان کا مرے پاس نہیں تھا کوئی
میں یہ بولا کہ بھلا کون سمجھ سکتا ہے
مسکراتے ہوئے افراطِ تنفر سے سبھی
پاس سے میرے اٹھے اور وہ غصے میں گئے
تو یہ سب دیکھ کے واں سامنے ہنستا ہی رہا
کیا انوکھا مرے مالک ہے طریقہ تیرا

- - - - - - - - - - -

اے خداوند مرے مجھ کو یہ توفیق ملے
تیری سرکار میں سرخم پئے تسلیم کروں
اپنا سب کچھ میں کروں نذر ترے قدموں پر
میرے مالک مرے آقا میں ترا ہو کے رہوں

جیسے دن برسے ہوں ساون کی گھٹائیں بوجھل
میں ترے در پہ سلامی ہوں یونہی آقا کل

میرے نغمات کے ہر موڑ کو یک سو کر دے
تاکہ میں نذر ترے بحر سکوں کو دے دوں
غول سا رس کا ہو پروا جیسے دن رات
سوئے کہسار رواں سر میں لیے گھر کا جنوں
یوں ہی مالک مرے میں آؤں ترے در کی طرف
مجھ سے فانی کو ملے مٹ کے بقاؤں کا شرف